قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

# بینات

جلد: ۸۶ شمارہ: ۱۱
ذوالقعدۃ: ۱۴۴۴ھ - جون: ۲۰۲۳ء
قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۵۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

**خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ**
دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

**بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک**
یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

**اکاؤنٹ نمبر**
اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

**وضاحت**
ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
*Web*: www.banuri.edu.pk *Email*: bayyinat@banuri.edu.pk
ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری مطبع: شفق پرنٹنگ پریس طابع: حافظ ثناء اللہ واحدی

# فہرستِ مضامین

## بصائر وعبر


| | | |
|---|---|---|
| پاکستان میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی بڑھتی ہوئی جسارت کا اصل مُحرِّک! | ۳ | محمد اعجاز مصطفیٰ |


## مقالات ومضامین


| | | |
|---|---|---|
| مکاتیبِ بنوریؒ ... مکتوب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب | ۷ | انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری |
| طلبۂ تخصص کے لیے چند کارآمد نکات وتجربات | ۱۳ | مولانا محمد یاسر عبداللہ |
| رمضان کے بعد کی زندگی! | ۲۲ | مفتی محمد راشد ڈَسکوی |
| نامور محدث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ کا اُسلوبِ تدریس | ۳۲ | مولوی عبدالرحمٰن سلیم |
| کرپٹوکرنسی کے حامیوں کا طریقۂ واردات اسلامک فنانس اور معیشت کی اسلامائزیشن کی آڑ میں | ۴۰ | جناب ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی |


## یادِ رفتگان


| | | |
|---|---|---|
| حضرت مولانا عبدالرؤف ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ | ۵۲ | مولانا خلیق الرحمٰن ہالیجوی |


## دار الافتاء


| | | |
|---|---|---|
| قربانی سے متعلق چند اہم مسائل | ۵۷ | ادارہ |


## نقد ونظر


| | | |
|---|---|---|
| گلدستۂ احادیث ... فاتحِ قادیان مولانا محمد حیاتؒ | ۶۰ | ادارہ |
| مکاتیب المشائخ ... أحکام الایتلاف في أحکام الاختلاف | | |

# پاکستان میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی

## بڑھتی ہوئی جسارت کا اصل مُحرِّک!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ کا مہینہ جہاں پاک فطرت اور پاکیزہ قلوب مسلمانوں کے لیے خیر و برکت اور رحمت و مغفرت کا باعث بنا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں ایسے مسلمان نماز، روزہ، تراویح، صدقہ، خیرات، تلاوت، ذکر و استغفار اور اعتکاف کے ذریعے گناہوں کی بخشش اور آخرت میں نجات و فلاح کے لیے مقدور بھر مساعی اور کوششیں کرتے رہے، جس سے شیطان کو اپنی سال بھر کی محنت اور کوشش رائیگاں ہوتی نظر آئی، وہاں اس نے اس نورانی ماحول اور نیکیوں کی برسات کے موسم میں کچھ بدفطرت اور ناپاک دل اپنے آلۂ کاروں کو سادہ لوح مسلمانوں کے دین و ایمان کو خراب اور غارت کرنے کے لیے مختلف دعاوی کا ڈھونگ بھی رچانے کے لیے کھڑا کر دیا۔

اس رمضان المبارک میں ہمارے ملک پاکستان کے تین شہروں میں مسیلمہ کذاب، مرزا قادیانی، گوہر شاہی اور یوسف کذاب کی طرح تین ڈھونگی لوگوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ ان میں سے ایک سید احمد رضوی نامی شخص ہے جو ایک عرصہ سے کراچی میں سلسلۂ وارثی کا سجادہ نشین اور پیر بنا ہوا تھا۔

تفصیلات کے مطابق گزشتہ روز گلبرگ پولیس نے فیڈرل بی ایریا بلاک ۱۳ میں چھاپہ مار کر سید احمد رضوی نامی ایک پیر کو گرفتار کیا ہے جو کہ علاقے میں کئی سال سے پیری مریدی کا کام کررہا تھا۔ ایس ایچ او اشرف جوگی کا کہنا ہے کہ گرفتار شخص کی جانب سے ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی تھی، جس میں یہ شخص خود کو امام مہدی ثانی قرار دے رہا تھا، جس کے بعد کراچی کے مذہبی حلقوں سمیت عام شہریوں میں مذکورہ شخص کے خلاف شدید اشتعال پھیل گیا۔ اس پر پولیس نے شناخت کرنے کے بعد رہائش گاہ پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کرلیا اور سخت حفاظتی انتظامات میں تھانے منتقل کردیا ہے۔

اسی طرح دوسرا جھوٹا مدعیِ نبوت خرم اسلام راولپنڈی میں گرفتار کیا گیا اور اس کے خلاف توہینِ رسالت کا مقدمہ درج کیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ شب تقریباً سوا آٹھ بجے کے قریب ایک شخص نے راولپنڈی کے علاقے صادق آباد کی جامع مسجد تقویٰ میں آکر رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ مذکورہ کذاب شخص کی شناخت خرم اسلام کے نام سے ہوئی ہے۔ مذکورہ شخص کی جانب سے توہینِ رسالت کا ارتکاب کیے جانے پر جامع مسجد تقویٰ کے خطیب ممتاز عالم دین مفتی مجیب الرحمٰن نے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہونے کے خدشے کے پیشِ نظر مذکورہ کذاب شخص کو اپنی تحویل میں لے کر راولپنڈی پولیس کے اعلیٰ حکام سے رابطہ کرکے مذکورہ شخص کے خلاف بلاتاخیر قانونی کارروائی کرنے کی درخواست کی۔ مفتی مجیب الرحمٰن کی جانب سے رابطہ کیے جانے کے بعد راولپنڈی پولیس کے اعلیٰ حکام کی ہدایت پر ایس ایچ او تھانہ صادق آباد پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ جامع مسجد تقویٰ پہنچے اور توہینِ رسالت کا ارتکاب کرنے والے مذکورہ شخص کو حراست میں لے کر نامعلوم مقام پر منتقل کردیا، جس کے بعد مفتی مجیب الرحمٰن مذکورہ شخص کے خلاف مقدمے کے مدعی محمد وقاص اور دیگر رفقاء کے ہمراہ اندراجِ مقدمہ کے لیے تھانہ صادق آباد پہنچے۔ مذکورہ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی بعض مذہبی جماعت کے کارکنان تھانہ صادق آباد پہنچنا شروع ہوگئے اور انہوں نے احتجاج کی کوشش کی، جس پر مفتی مجیب الرحمٰن نے کسی بھی شخص کو مذکورہ واقعہ کے متعلق تھانے کے سامنے احتجاج کرنے سے روک دیا اور کہا کہ ہم اس مقدمے کو دیکھ رہے ہیں، جب پولیس ہمارے ساتھ مکمل تعاون کررہی ہے اور توہینِ رسالت کے مرتکب شخص کے خلاف قانونی کارروائی کے لیے تمام تقاضے پورے کیے جارہے ہیں تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امن وامان کا مسئلہ پیدا کرے۔ بعدازاں مفتی مجیب الرحمٰن کی کاوشوں کے نتیجے میں رات گئے مذکورہ کذاب شخص کے خلاف توہینِ رسالت اور توہینِ مذہب کی دفعات کے تحت مقدمہ درج کرلیا گیا۔ علاوہ ازیں ایس پی راول

فیصل سلیم اور ایس ایچ او تھانہ صادق آباد نے جامع مسجد تقویٰ آکر ممتاز عالم دین مفتی مجیب الرحمٰن سے ملاقات کرکے خصوصی طور پر ان کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی قابلِ تحسین کارکردگی کی وجہ سے توہینِ رسالت کے مذکورہ واقعہ کے رونما ہونے پر راولپنڈی شہر میں کسی بھی قسم کا امن وامان کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ ایس پی نے یقین دہانی کرائی ہے کہ پولیس مذکورہ شخص کے خلاف مقدمے میں تمام قانونی تقاضوں کو پورا کرے گی اور مفتی مجیب الرحمٰن نے جو اعتماد راولپنڈی پولیس پر کیا ہے، اس پر پورا اُترے گی۔

اسی طرح تیسرا واقعہ فیصل آباد میں پیش آیا، جہاں نبوت کی جھوٹی دعویدار ملعونہ کی بہن اور بہنوئی کو گرفتار کیا گیا، جہاں میاں بیوی نے ویڈیو میں ملعونہ ثنا کی خرافات کی تائید کی تھی۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والی ملعونہ ثنا عرف قیامت کی بہن حنا نواز اور اس کی خرافات کی گواہی دینے والے خاوند ڈاکٹر احمد نواز کو بیٹے سمیت حراست میں لے لیا گیا۔ فیصل آباد سے ملعونہ ثنا کی بہن حنا انجم کا ویڈیو بیان سوشل میڈیا پر سامنے آیا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ (نعوذ باللہ) اس کی بہن ثنا عرف قیامت نے لاہور میں رسالت کا جو دعویٰ کیا ہے، میں اس کی تائید کرتی ہوں۔ ہمیں خواب میں الہام ہوتا ہے۔ حنا انجم نے مزید کہا کہ ہمارا سات سال سے روحانیت کا سلسلہ ہے۔ اس دوران موقع پر حنا کا شوہر ڈاکٹر احمد نواز بھی موجود تھا، جو ملعونہ کے دعووں کی تائید کرتا رہا تھا۔ تھانہ نشاط آباد پولیس نے ملعونہ کو اس کے ڈاکٹر خاوند اور بیٹے سمیت گرفتار کرکے زیر دفعہ ۲۹۵-اے، پی اور سی مقدمہ نمبر 621/23 درج کرلیا۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے اسباب اور محرکات کیا ہیں؟ اور اس کے سدِ باب کی کیا صورت ہونی چاہیے؟ اس سلسلے میں نہایت غور وفکر کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے لوگوں کو یہ جرأت اس لیے ہوتی ہے کہ بعض دین دشمن اور ملک دشمن این جی اوز اور قادیانیوں کے لے پالک ان کی پشت پر ہوتے ہیں، جو انہیں مال و دولت، بیرونی ممالک کی نیشنلٹی اور ان کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا لالچ دے کر انہیں اس طرح کے گھناؤنے اور جھوٹ پر مبنی دعاوی کرنے پر اُکساتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ قادیانیوں اور دین دشمنوں کو یہ یقین ہوگیا ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے اربابِ اقتدار اور بااختیار لوگوں کی دینی اور ملی غیرت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اب وہ اپنے ذاتی مفادات، پاکستان میں اقتدار اور کرسی کے لیے تو لڑ سکتے ہیں، مگر دین و مذہب اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے نام پر ان کے پاس کوئی وقت نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کو شاید دین و مذہب اور

اللہ ورسول (ﷺ) کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان کی توہین وتنقیص اور گستاخی و بے ادبی کے خلاف کسی قسم کے ردِعمل کو روشن خیالی کے خلاف تصور کرتے ہیں، بلکہ ایسے کسی ردِعمل کو تنگ نظری کے مترادف سمجھتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ دین دشمن آئے دن اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی توہین وتنقیص کرتے ہیں، شعائرِ اسلام اور مقدسات کا مذاق اُڑاتے ہیں اور مسلمانوں کے دین و مذہب کو نشانہ بناتے ہیں، مگر مسلمانوں کے بڑوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، بلکہ ایسے بدباطن گستاخوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی ضروری نہیں سمجھی جاتی، چنانچہ اس قسم کے گھناؤنے واقعات کی نہ صرف یہ کہ بھرمار ہے، بلکہ آئے دن اس قسم کے واقعات اور سانحات رونما ہوتے ہیں اور ان کے مرتکب مجرم بلاخوف وخطر دندناتے پھرتے ہیں، مگر ہمارا ملکی قانون اور ہماری حکومت وعدلیہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

دیکھا جائے تو ایسی صورت حال ہی عوام کو راست اقدام کرنے اور قانون کو ہاتھ میں لینے پر مجبور کرتی ہے اور ایسے موذیوں اور بدباطنوں کو ٹھکانے لگانے کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اگرچہ کوئی بھی محبِ وطن اور آئین وقانون کا پابند کسی بھی اعتبار سے قانون کو ہاتھ میں لینے کی تائید نہیں کرسکتا، جیسا کہ ان مذکورہ بالا واقعات میں مسلم زعماء اور علمائے کرام نے قانون کو ہاتھ میں لینے سے عوام الناس کو بڑی حکمت، تدبر اور دانشمندی سے روکا، جس کا پولیس نے مفتی مجیب الرحمٰن صاحب کے پاس جاکر برملا اعتراف اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اگر حکومت، انتظامیہ اور ہماری عدلیہ وقت پر قانون کے مطابق ان کو قانون کے شکنجے میں کس لے اور ان کو سزائیں دے تو کہیں بھی قتل وغارت گری اور دنگا وفساد کی نوبت ہی نہ آئے۔

خلاصہ یہ کہ ایسے دین دشمنوں اور بدباطنوں کو وقت پر اور قانون کے مطابق سزائیں نہ دینا ہی ان کو اللہ ورسول (ﷺ) اور شعائرِ اسلامی کی توہین وتنقیص اور گستاخی و بے ادبی کرنے پر اُکساتا ہے، لہٰذا حکومت، انتظامیہ اور عدلیہ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ایسے مجرموں کو گرفتار کرکے قرارواقعی سزا دے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے ایسے اقدامات کا سدِباب کرے، إن أريد إلا الإصلاح مااستطعت وما توفيقي إلا بالله.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقهٖ سيدنا محمد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين

# مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

## مکاتیب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

### مکتوب حضرت بنوری رحمہ اللہ بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من سملك تحريرًا في ۲۹ محرم الحرام ۱۳٦۱ھ

سيدي مولائي متّعنا الله سبحانهٗ إيانا والأمةَ ببركاتكم الظاهرة والباطنة، آمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! (۱)

بہت دن ہوئے کہ کوئی عریضہ ارسالِ خدمت نہ کرسکا، جس سے مزاجِ اقدس کی صحت معلوم ہوتی۔ اُمید ہے کہ حضرت والا خیر وعافیت سے ہوں گے، اور مشتاقوں کو اپنے فیوض سے سیراب فرماتے ہوں گے، اللّٰھمّ زِدْ فَزِدْ! جی بہت چاہتا ہے کہ چند ایامِ فیضِ صحبت نصیب ہوتا، کیا کیا جائے؟! احتیاج واشتیاق دونوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی صورت میسر فرمائے، اور توفیق عطا فرمائے۔ (۲)

چند ایام سے بعض اشغال کی توفیق سے محرومی سی ہورہی ہے، حضرت والا کی مُربّیانہ اور بزرگانہ شفقت سے التجا کرتا ہوں کہ دعا سے نوازیں، شاید اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، اور بیش از بیش توفیقِ خیرات نصیب فرمائے۔ (۳)

آج کل جامعہ اسلامیہ (ڈابھیل، گجرات، انڈیا) سے علیحدہ ہوگیا ہوں، اور مجلسِ علمی میں بصیغۂ تالیف کام کرتا ہوں، مغرب سے عشاء تک بعض طلبہ کو پڑھاتا ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علمِ نافع اور عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے، اور حسنِ نیت سے نوازے۔ ظاہری اعتبار سے جو زندگی اس وقت گزر رہی، علمی حیثیت سے بہت مُغتنَم ہے، اور لذیذ ترین مشغلہ ہے، جو حق تعالیٰ کے لاکھ لاکھ شکر کا

مُوجِب ہے، حق تعالیٰ اس کو باطنی ورفعی حیثیت سے میرے لیے سعادتِ دارین کا سبب بنائے۔ (۴)

وعلیٰ کلّ حالٍ أرجوكم يا سيدي ومولاي أن تمنّوا على خُوَ يْدِمِكُم بدعواتٍ صالحةٍ ونظراتٍ وتوجُّهاتٍ، والله سبحانهٗ يُطيلُ بقائكم في بركاتٍ مُمتعة، ويُديمَ مآثرها في العالم ظاهرًا و باطنًا. (۵)

والسلام ختامٌ، وصلّى الله علٰى صَفوَةِ البريّةِ سيدِنا ومولانا محمد وآلهٖ وصحبهٖ و بارك وسلّم.

وأنا الأحقر خُوَ يْدِمُكُم
محمد يوسف البنوري عفا اللهُ عنه
المُقيم بالمجلس العلمي في سملك دابهيل (سورت)
۳۰ محرم الحرام سنة ۱۳٦۱ھ

## جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) السلام علیکم!

(۲) یہ آپ کی محبت ہے، ورنہ

چراغِ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا [1]

میں اپنی ہی اصلاح نہ کرسکا، دوسروں کی کیا کرسکتا؟! لیکن حسنِ ظن کے مؤثر ہونے کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) دل وجان سے دعا کرتا ہوں۔

(۴) دل سے یہی دعا ہے، لیکن باطنی ترقی کے لیے محض ظاہری علم کا مشغلہ عادۃً ممتنع تو نہیں، لیکن اکثر غیر کافی ہوتا ہے۔

(۵) هٰذا كلّهٗ من أعمالي، و يشترط لتأثيرها شيئ من عملكم، والله الموفّق.

---

من الجامعة تحريرًا في ٤ جمادى الأخرى سنة ۱۳٦۱ھ

صاحبَ المعالي السائرة والمآثر الفاخرة، سيدي ومولائي، أدام اللهُ بركاتِكم المباركة، آمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! (۱)

مدت سے عریضہ لکھنے کا قصد کررہا ہوں، مگر توفیق نہ ہوئی، اُمید ہے کہ حضرت والا خیر وعافیت

[1] ترجمہ: ''کہاں ایک بے نور چراغ اور کہاں آفتاب کی ضیاء؟! دیکھیے! راہ کا یہ تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے؟!''

سے ہوں گے۔ (۲)

شیخ محمد زاہد کوثری کے مصر سے کئی خطوط آئے، ہر ایک خط میں انتہائی عقیدت مندی سے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کو تحریر فرمایا۔ (۳)

ان کی دو نئی تصنیفیں بھی پہنچی ہیں: ایک امام الحرمین کی کتاب ''مُغیثُ الخلق'' کا جواب ہے، امام الحرمین نے مذہبِ شافعی کی ترجیح کے وجوہ بیان کیے، اور اس انداز سے جس سے حنفیت کی تنقیص نکلتی ہے، کوثری کی کتاب کا نام ''إحقاق الحق بإبطال الباطل من مغيث الخلق'' ہے۔ دوسری کتاب خطیب بغدادی (کی کتاب) کا ردنہایت آب وتاب سے شائع ہوئی ہے، جس کا نام ''تأنيب الخطيب على ما ساقهٗ في ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب'' ہے۔ ثانی الذکر کتاب میں سو نسخوں میں مجلسِ علمی نے اشتراک کیا ہے، نسخے مطلوبہ ابھی نہیں پہنچے، پہنچنے پر خدمتِ اقدس میں ارسال کریں گے۔ نیز ''إحقاق الحق'' کے بھی چند نسخے طلب کیے ہیں، وہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ارسال کریں گے۔ (۴)

نیز اس عرصہ میں کئی کتابوں پر ان کی تعلیقات ومقدمات طبع ہو گئے ہیں، جن کا ایک ایک نسخہ مجلس کو بطورِ ہدیہ ارسال فرما چکے ہیں، سب تعلیقات میں، ومقدمات وتصانیف میں ان کے علمی خصائص وکمالات نمایاں ہیں۔ (۵)

عرصہ سے چند خواب دیکھے ہیں، جن (میں) شاید زیادہ قابلِ ذکر دو ہیں:

(۱) دیکھتا ہوں کہ آپ کا سینہ مبارک دودھ سے بہت بھر گیا، جس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے، اس تکلیف کو کم کرنے کے لیے میں نے بائیں جانب پر منہ لگایا، اور دودھ نکالتا ہوں، کچھ نگلتا ہوں اور کچھ گراتا بھی جاتا ہوں۔ [1]

---

[1] مذکورہ خواب کی مناسبت سے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ خواب کی تعبیر کا اس کی ظاہری صورت اور الفاظ کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ بسااوقات خواب کی تعبیر کبھی اس کے ظاہری معانی سے مستفاد ہوکر قریب ہوتی ہے اور کبھی بالکل اس کے ظاہر کے موافق ہوتی ہے، کبھی اس کے ظاہر سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی بالکل برعکس ہوتی، کبھی اس سے مستفاد ہوتی ہے۔ کبھی خواب بظاہر خوش نما معلوم ہوتا ہے اور اس کی تعبیر پریشان کن ہوتی ہے، اور بسااوقات کبھی خواب کا ظاہر' وحشت انگیز ہوتا ہے، لیکن فنِ تعبیر کے ماہرین کے نزدیک اس کی تعبیر' مسرت انگیز ہوتی ہے۔ کس خواب میں کونسی صورت مراد ہوگی؟ اس کا فیصلہ فنِ تعبیر کے ماہر کا کام ہے، اور فنِ تعبیر کسبی سے زیادہ وہبی ہے۔ روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چچی ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! آج رات میں نے ایک برا خواب دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: وہ کیا خواب ہے؟ عرض کیا: وہ بہت ہی سخت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بتایئے تو کیا خواب ہے؟ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کے جسمِ مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) ان شاء اللہ! **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

(۲) تھانہ بھون حاضر ہوا ہوں، لیکن نقشہ کچھ اور ہے، خیال کیا کہ عشاء کی نماز آپ کے پیچھے پڑھوں، مسجد میں پہنچا، دیکھتا ہوں کہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑے (ہیں)؛ تاکہ آپ نماز پڑھائیں، دیر بہت ہوگئی تھی، لوگوں نے مجھے آگے کیا، اور میں نے نماز پڑھائی۔ (۶)

اور کوئی قابلِ ذکر چیز اس عریضہ کے مناسب نہیں۔

وفي الخِتام أُقَبِّلُ يديكم الكريمتين راجيًا دعواتِكم.

محمد يوسف البنوري عفا الله عنه

از ڈابھیل

## جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) السلام علیکم!

(۲) ہاں، الحمد للہ!

(۳) یہ ان کی بزرگی ہے، ورنہ

چراغِ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا ❶

اگر اب کی بار آپ کوئی خط ان کو لکھیں تو میرا بہت بہت سلام مع استدعاء دعا ضرور لکھیں۔

(۴) مجھ پر احسان ہوگا، دعا کیجیے کہ یہ کتابیں میرے زیادتِ علم کا ذریعہ ہوں۔

(۵) ماشاء اللہ! متّع المسلمين بعلومه.

---

**(بقیہ حاشیہ گزشتہ)** = میری لختِ جگر بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، جو آپ کی گود میں کھیلے گا۔ (حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: یہ خواب یوں سچا ثابت ہوا کہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور میری گود میں کھیلے۔''

(مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۳، ص:۱۷۴۱، ط: المکتب الاسلامی، بیروت)

غور کیجیے کہ مذکورہ خواب کے ظاہر کو سوچ کر خود حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا بھی اس کے ذکر کرنے میں ہچکچا رہی تھیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی عمدہ تعبیر ارشاد فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بعض اوقات خواب کا ظاہر اور تعبیر بالکل مختلف ہوتی ہے، علمی بصیرت کے ساتھ فنِ تعبیر سے آگاہی رکھنے والے ان دقائق سے واقف ہوتے ہیں۔ بعض ظاہر بین اور کم فہم لوگ خواب کے ظاہر کو دیکھ کر اس کو حقیقت سمجھنے لگتے ہیں، خود بھی دانستہ یا نادانستہ الجھنوں کا شکار ہوجاتے ہیں، اور عوام کو بھی الجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواب کو خواب ہی کا درجہ دیا جانا چاہیے، اس پر حقیقت کے اصول منطبق کرنا اور حقیقت کی مانند اشکال واعتراض کا نشانہ بنانا ہماری علمی روایت کے خلاف ہے۔

❶ ترجمہ: ''کہاں ایک بے نور چراغ اور کہاں آفتاب کی ضیاء؟! دیکھیے! راہ کا یہ تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے؟!''

(۲) مجھ کو تعبیر سے کوئی خاص مناسبت نہیں، لیکن غالباً آپ اس عذر کو تکلّف سمجھیں گے، اس لیے ''زصاف و درد پیش آر آنچہ داری'' ❶ پر عمل کرتا ہوں: خوابِ اول کے رائی (دیکھنے والا) کوئی خُرد (چھوٹا) اور مرئی لہ (جس کے لیے دیکھا گیا) کوئی بزرگ ہوتے تو میں درجۂ ظن میں یہ تعبیر دینا تجویز کرتا کہ مرئی لہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے نافع علوم عطا فرمائے ہیں، جن کے اِفادہ کا ان پر تقاضا ہے، اور عدمِ استفادہ سے ناگواری ہے۔ رائی نے ان کو اخذ کیا ہے (حالاً یا استقبالاً) اور دوسروں کو بھی سرکایا ہے۔ کچھ کچھ گرنا اس طرف اشارہ ہے: ''اگر شراب خوری جرعہ فشاں برخاک'' ❷

(دوسرا خواب) اس استفادہ کی ایک صورت ہے کہ رائی نے نیابت کی مرئی لہ کی اعمالِ دینیہ میں، جو کہ استفادۂ علوم سے مقصود ہے۔

---

من سملك في ١٩ رمضان المبارك، يوم الخميس، سنة ١٣٦١هـ

صاحب المآثر و المفاخر، سيدي و مولائي، متّع الله العلم و أهلهٗ بطول حياتكم، آمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! (۱)

مدت سے کوئی عریضہ ارسال کرنے کا فخر حاصل نہیں کر سکا، حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُمید ہے کہ حضرت اقدس بخیر و عافیت ہوں گے۔ (۲) اور مشتاقانِ برکات و فیوض کو آبِ حیات سے سرشار فرماتے ہوں گے۔

نسأل الله سبحانهٗ وتعالىٰ أن يُطيل حياتَكم الطيّبة في عافية كاملة، وأن يُديم لنا وللأمة جمعاء بركاتها وأنوارها فائضة شاملة. (۳)

اس سال چونکہ گھر والے (ڈابھیل میں) ساتھ تھے، اس لیے ایامِ تعطیل میں یہیں قیام کیا، اگرچہ والد ماجد کی زیارت سے اور تبدیلِ آب وہوا ولقاء اعزہ سے محروم رہا، لیکن مجبوراً بعض وجوہ سے یہ صورت اختیار کرنا پڑی۔ (۴)

ماہِ رمضان المبارک ہے، خلافِ توقع اوقات ضائع گزر رہے ہیں، اگر ان مبارک اوقات، مبارک احوال میں ایک دو دفعہ اپنے مبارک ومستجاب دعوات سے سرفراز فرمائیں تو احسان ہوگا، وأجركم على الله سبحانهٗ وتعالى. (۵)

---

❶ ترجمہ: ''جو کچھ تمہارے دامن میں ہے، صفائے قلب اور درد سے پورا سامنے لاؤ۔''

❷ ترجمہ: ''اگر مے نوش فرما رہے ہیں تو توانائی کا ایک گھونٹ خاک کی نذر بھی کر دیجیے۔''

''دلائل الخیرات'' پڑھتے وقت درود کے بعض صیغے ایسے آتے ہیں، جن کے پڑھنے (سے) طبیعت اِباء کرتی ہے، جیسے: ''حتی لا یبقٰی من رحمتك شیئ''أو مثلها ونحوها۔ اگرچہ معقول توجیہ وتاویل اس کی ہوسکتی ہے، لیکن لفظی اِبہام کی وجہ سے طبیعت برداشت نہیں کرسکتی، اور ''دلائل'' ترک کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں کیا صورت اختیار کروں؟ کیا ''دلائل'' کی قراءت ترک کردوں؟ یا تاویل کرکے پڑھتا رہوں؟ یا ان کلمات کی تبدیلی مناسب کلمات سے کرکے پڑھتا رہوں؟نرجوکم یا مولاي أن تفیدونا، ولکم منا جزیل الشکر والمنّة. (۶)

یہاں پہلا روزہ رؤیت سے ماہ یک شنبہ (اتوار) کا ہے، اس سے قبل چند ماہ مسلسل رؤیت نہیں ہوئی تھی، جمعہ کو کوشش کی گئی تھی، لیکن مطلع صاف نہ تھا، پشاور وغیرہ سے بعض خطوط سے معلوم ہوا ہے کہ بعض اطرافِ سرحد میں رؤیت جمعہ کو ہوئی، اور پہلا روزہ شنبہ کا ہے، لیکن شرعی حجت ہونے کے طور پر کوئی موثوق (قابلِ اعتماد) خبر ابھی نہیں۔ (۷)

والسلام ختام: محمد یوسف البنوري عفا اللہ عنه

پس نوشت: ''تأنیب الخطیب للکوثري'' وغیرہ، مصر سے پہنچ گئی ہیں، عنقریب خدمتِ اقدس میں ارسال کریں گے۔ (۸)

والسلام

## جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) السلام علیکم!
(۲) جی ہاں، الحمد للہ!
(۳) أوصلکم اللہ علٰی کل ما ینفعکم کما تحبوني.
(۴) الخیر فیما وقع.
(۵) دل سے۔
(۶) هٰذا أسلم وأحکم.
(۷) عین الصواب.
(۸) تقبّل اللہ منکم.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

# طلبۂ تخصص کے لیے چند کار آمد نکات وتجربات

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

ڈاکٹر احمد معبد عبدالکریم حفظہ اللہ (ولادت: ۱۳؍نومبر ۱۹۳۹ء/ یکم شوال ۱۳۵۸ھ)، معاصر مصری عالم ومحقق اور علومِ حدیث کے شناور ہیں، علمی حلقوں میں ان کے ''تدریبُ الراوي للسُّيوطي'' اور ''فتحُ المغيث شرحُ ألفيةِ الحديث للسَّخاوي'' کے دروس کی دُھوم ہے۔ متعدد مفید کتابوں کے مؤلف اور کئی نسلوں کے استاذ ومربّی ہیں، عالمِ عربی کی متعدد جامعات میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں، آج بھی جامعہ ازہر میں ان کے ہفتہ واری درس میں اہلِ علم وطلبۂ کرام کا ہجوم اُمڈ آتا ہے اور ازہر کے وسیع برآمدے بھی تنگ دامنی پر شکوہ کناں دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ موصوف کی نمایاں کاوشوں میں علامہ ابن سید الناس یعمری رحمۃ اللہ علیہ کی ''النفح الشذي شرح جامع الترمذي'' کی تحقیق (۳ جلدیں، دار العاصمۃ، ریاض، ومکتبۃ الامام البخاری، مصر)، ''الحافظ العراقِي وأثرهُ في السنّة'' (پانچ جلدیں، أضواء السلف، ریاض)، ''علل الحديث بين القواعد النظرية والتطبيق العملي''، باشتراک (مکتبۃ الایمان، قاہرہ)، ''السنة النبوية، شبهات وردود'' (مشیخۃ الازہر، قاہرہ) ودیگر تالیفات شامل ہیں۔ حال ہی میں شیخ کے ایک عزیز شاگرد ڈاکٹر صلاح الدین شامی حفظہ اللہ نے ان کی اسانیدِ حدیث کے متعلق ''ثَبَتْ'' مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ ''فيضُ الكريم في ترجمة وأسانيد شيخ المحدّثين أحمد معبد عبد الكريم'' (المکتبۃ الخیریۃ، قاہرہ، مصر ۱۴۴۳ھ/ ۲۰۲۲ء) کے دل کش نام سے موسوم اس کتاب کی ابتدا میں لگ بھگ ایک سوسترہ صفحوں میں شیخ نے اپنے علمی سفر کی آپ بیتی قلم بند کی ہے، جس میں طفولت سے مشیخت تک کی علمی سرگزشت، اساتذہ ومشائخ کا عطر بیز تذکرہ، اُن کے چنیدہ افادات اور اپنے ذاتی تجربات زیبِ قرطاس کیے ہیں۔ ان صفحات کے مطالعہ کے دوران بہت سے قیمتی نکات اور تجربات نگاہ سے گزرے، اور اہلِ علم وطلبۂ علومِ حدیث کے لیے کارآمد محسوس ہوئے، پیشِ نگاہ تحریر میں اُنہیں افادۂ عام کے لیے ''ریختہ'' کے قالب میں ڈھال کر پیش

کیا جارہا ہے۔

## قدماء اور معاصر علماء کی کتابوں میں موازنہ

ڈاکٹر محمد سعاد جلال (استاذِ فقہ واصولِ فقہ حنفی، کلیہ شریعہ، جامع ازہر) شیخ احمد کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں، ایک بار انہوں نے درس گاہ میں انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''معاصرین کی بنسبت علماء وائمہ متقدمین کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کیا کرو۔'' (ص:۳۰)

شیخ احمد کے مطابق: اُنہیں محسوس ہوا کہ ہم طلبہ ان کی اس نصیحت سے حیرت زدہ ہیں تو مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر تم متقدمین کی کتابیں پڑھو گے تو وہ تمہیں علمی اعتبار سے معاصرین کے ہم پلہ کریں گی، اور ان سے مباحثہ کے لائق کردیں گی، اس کے برخلاف اگر صرف ہم عصر مؤلفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہو گے تو علمی اعتبار سے ان سے پیچھے ہی رہو گے۔'' پھر اپنی مثال پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: ''مثلاً: اگر میں اصولِ فقہ، عقائد، یا تفسیرِ قرآن کریم کے کسی مسئلے کے متعلق (امام) فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی لکھی چند سطریں بھی پڑھوں گا تو زندگی بھر اُن سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا، جب کہ اسی مسئلے کے متعلق کسی معاصر عالم کے قلم سے کئی صفحات بھی پڑھ ڈالوں تو متقدمین کے ذکر کردہ اصولوں میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں مل پائے گا۔ (ص:۳۰)

اس زریں نصیحت کو سپردِ قلم کرنے کے بعد شیخ احمد معبد لکھتے ہیں:

''میں نے یہ نصیحت 'فقہِ حنفی کی اس کتاب کے حاشیہ پر لکھ لی تھی جسے ہم شیخ سے پڑھا کرتے تھے، ان کی یہ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہی، اور اس وقت سے آج تک اپنے علمی سفر میں اسے تھامے ہوئے ہوں، اور میرے حصولِ علم کی بنیادوں میں اس کا گہرا کردار رہا ہے، اپنے طلبہ وطالبات کے سامنے یہ نصیحت بار بار دہراتا رہتا ہوں، اور بہت سے طلبہ کچھ مدت بعد مجھ سے رابطہ کرکے بتاتے رہتے ہیں کہ علمی طور پر اس نصیحت سے انہیں بہت فائدہ ہوا۔'' (ص:۳۱)

## ایک منفرد طریقۂ تدریس

شیخ محمود حسن ربیع حفظہ اللہ، شیخ احمد معبد کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں، علومِ حدیث سے متعلق کئی کتابوں کے محقق ہیں، جن میں حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ کی ''شرحُ الألفية'' اور انہی کی ''تقريبُ الأسانيد'' اور اس کی شرح ''طرحُ التثريب في شرح التقريب'' وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ احمد معبد لکھتے ہیں:

’’وہ ہمیں مطالعہ کا مضمون پڑھاتے تھے، جسے انہوں نے ایک عام تہذیبی موضوع میں تبدیل کردیا تھا، ہم (ان کے) پیریڈ میں مطالعہ کی (نصابی) کتاب کا کوئی ایک موضوع پڑھتے، پھر وہ ہمیں اُس دور کے کسی تہذیبی مسئلے کے متعلق مفید گفتگو کی جانب متوجہ کردیتے، مثلاً: اُس زمانہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصر کے معروف متنازع ادیب) نے جاہلی ادب کے متعلق (مشہورِ زمانہ) بحث چھیڑ رکھی تھی، جو رائے عامہ، تعلیم یافتہ طبقوں اور علمائے ازہر کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی تھی، شیخ ہمیں (اس حوالے سے) اخبارات و رسائل میں شائع شدہ مواد اور اس موضوع سے متعلق علمی مجلسوں کی گفتگو سناتے، جن میں وہ شرکت کرتے تھے، دلائل کی روشنی میں اپنا موقف واضح کرتے، اور ہمیں اُبھارتے کہ ہم خود کو چھوٹا جان کر اپنی وسعت کے مطابق ایسی بحثوں کا مقابلہ کرنے سے نہ گھبرائیں (بلکہ حسبِ استعداد اپنا حصہ ڈالیں)، خواہ رسائل و جرائد کے کسی دفتر میں جاکر ہو، یا اس قضیے کے خلاف کچھ جملے پیش کرکے ہی کیوں نہ ہو اور اُن صاحب (ڈاکٹر طٰہٰ حسین) کی باتوں میں جو (علمی) غلطیاں اور ادبِ عربی و اسلامی مآخذ کے متعلق طعن و تشنیع ہے، انہیں واضح کریں۔ وہ ہم سے مطالبہ کرتے کہ ہم مختصر مضامین تیار کرکے مطالعہ کے سبق میں بیان کریں۔ یوں مطالعہ کا یہ مضمون ہمارے لیے ایک دلچسپ فکری تحریک کی صورت اختیار کرگیا، اس پیریڈ میں ہمیں بے چینی سے شیخ محمود ربیع کی آمد کا انتظار رہتا۔ اسی دوران انہوں نے ہی پہلے پہل ماہانہ دیواری رسالے کا خیال پیش کیا، جسے ہم تیار کرکے معہد کے کسی ہال میں لٹکائیں، تاکہ ہر آنے جانے والا اس کا مطالعہ کرکے مستفید ہو۔‘‘ (ص:۳۲)

## علمِ منطق ہر ایک کے بس کا نہیں!

شیخ سید دَوَاخلی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ احمد معبد کے اساتذہ میں سے ہیں، شیخ احمد ان کے طرزِ تدریس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’انہوں نے ہمیں علمِ منطق کے موضوع پر ’’شرحُ الخَبِيْصِي (التهذيب في شرح التهذيب للتفتازاني)‘‘ مکمل پڑھائی تھی، ان کی تشریح کی روشنی میں ہم نے منطق کے مباحث کامل طور پر حاصل کیے، حتیٰ کہ ’’كتابُ الخَبِيْصِي‘‘ کے مندرجات میں سے ہر مسئلے کا جواب ہمارے لیے آسان ہوگیا، کتاب کے مسائل کی بکثرت وضاحت کی وجہ سے اگر کسی مسئلے کی کافی تشریح کے بعد کوئی (غافل) طالبِ علم اُس مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو وہ ناراض ہوکر کہا کرتے تھے: ’’كيف يطلب منّي ”سَمْكَرِي“ أن أُعَلِّمه المنطق؟!‘‘

(ویلڈنگ کرنے والا مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہی کیوں ہے کہ میں اُسے علمِ منطق سکھاؤں؟!)۔ اشارہ اس طرف ہوتا تھا کہ علمِ منطق دقیق عقلی علم ہے، اُس کی تشریح کے دوران بیدار مغزی کی ضرورت ہے، ورنہ منطقی مباحث اور ان کی مثالوں کو سمجھنا دشوار ہے۔'' (ص:۳۳)

## تفسیرِ قرآن کا اسلوبِ تدریس

ڈاکٹر فتحی عبد المنعم رحمہ اللہ، شیخ احمد کو ''تفسیرِ نسفی'' (مدارکُ التنزیل وحقائقُ التأویل) پڑھاتے تھے، اُن کے طرزِ تدریس کے تعلق سے شیخ لکھتے ہیں:

''ان کی تدریس کا اہم فائدہ یہ تھا کہ وہ قرآنِ کریم کی آیات کو معاصر مسائل کے ساتھ مربوط کرتے اور اُن مسائل کے متعلق قرآنِ کریم کی رہبری فراہم کرتے تھے۔ بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: ''هٰذه هي الدبلوماسية التي يتميّز بها عن الدبلوماسيات المعاصرة.'' (یہ قرآنی ڈپلومیسی (حکمتِ عملی، پالیسی) ہے، جو دورِ حاضر کی ڈپلومیسیوں سے جُدا ہے)۔'' (ص:۳۴)

## ذہین طلبہ، کامیاب اُستاذ کا راز

شیخ حمزہ بن ابراہیم جبالی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ احمد کو علمِ نحو کی معروف کتاب ''شرحُ ابنِ عقیل علی ألفية ابن مالك'' پڑھائی تھی، اُن کے علم وفضل اور جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر طلبہ کو شیخ سے بہت محبت تھی، اتفاق سے ان کا کسی اور شہر کے ادارے میں تبادلہ ہوگیا، تو بعض طلبہ نے اُنہیں نئے عہدے کی مبارک باد پر مشتمل خطوط تحریر کیے، شیخ احمد معبد نے بھی انہیں خط لکھا، جس کے جواب میں انہوں نے طویل خط ارسال کیا، شیخ لکھتے ہیں:

''میری یادداشت کے مطابق اس جواب کے مضمون میں انہوں نے یہ نکتہ بھی لکھا تھا: ''مجھ سے آپ لوگوں کو اگر علمی فائدہ پہنچا ہے تو اس میں حصولِ علم وفہم کے تئیں آپ لوگوں کی حد درجہ طلب کا دخل ہے؛ کیوں کہ کوئی کسان خواہ کاشت کاری میں کتنا ہی ماہر ہو، ساز گار زمین سے ہی اسے اچھی پیداوار حاصل ہوسکتی ہے، آپ لوگ ساز گار زمین تھے، جس کی بدولت میری کاشت کاری کی عمدہ پیداوار برآمد ہوئی۔'' (ص:۳۷،۳۸)

یادش بخیر! امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے استاذ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر اُن سے کہا تھا: ''ما انتفعتُ بك أكثرُ مما انتفعتَ بي'' (تم نے مجھ سے اِتنا استفادہ نہیں کیا، جتنا میں نے تم سے فائدہ اٹھایا)۔ سطحی ذہن اس نوعیت کے جملوں سے اُلجھ جاتا ہے، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے نادرِ روزگار اُستاذ اپنے شاگرد سے اس قدر استفادہ کریں کہ خود شاگرد کا استفادہ اُس سے کم رہ جائے؟! حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت دقت رسی سے اس گراں قدر جملے کی کیا خوب عقدہ کشائی فرمائی ہے، پڑھیے اور عَش عَش کر اُٹھیے! حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

’’قال شيخنا: وظاهرهُ مشكلٌ؛ لأنّ أبا عيسى الترمذي وإنْ كان إماماً حافظاً مُتقِناً يُضربُ به المثلُ، لكنّ الإمام البُخاري إمامُ هٰذا الفن لا يُجارى. قال: فلعلّ الغرض منه أنّ الحافظ الترمذي أخذ منه حظاً وافراً من العلم مالم يأخذ منه غيرُه، فكما أنّ التلميذ يحتاجُ إلى شيخٍ محققٍ، كذٰلك يحتاجُ الشيخ إلى صاحبٍ ذكيٍّ بارعٍ، يتلقّى علمَه و ينشرُه في العالَم.‘‘

(معارف السنن: ۱/ ۱۵، ط: مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی، بنوری ٹاؤن، کراچی)

’’ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: اس جملہ کا ظاہری مفہوم مراد لینا دشوار ہے، اس لیے کہ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام، حافظِ (حدیث) اور ماہرِفن ہیں، (محدثین کے ہاں فنی نقطۂ نظر سے) ان کی مثالیں دی جاتی ہیں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے (بلند پایہ) امام ہیں، ان کے ہم پلہ بھی کوئی نہیں۔ شیخ کا کہنا ہے: شاید اس جملہ کا مقصود یہ ہے کہ حافظ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام موصوف سے ان کے علم کا حظِ وافر پایا ہے، کسی اور نے ان سے اس قدر استفادہ نہیں کیا، جیسے شاگرد ایک محقق استاذ کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح استاذ کو بھی کوئی ذہین وباکمال شاگرد درکار ہوتا ہے، جو اس سے علم حاصل کرکے اطرافِ عالم میں اس کی نشر واشاعت کرے۔‘‘

## مطالعہ میں توسُّع ناگزیر ہے

ڈاکٹر محمد ابوشہبہ (رحمہ اللہ) اگرچہ سیرتِ نبویہ اور مناہجِ محدثین کے مضامین میں شیخ احمد کے اُستاذ رہے ہیں، لیکن اپنے محاضرات کے دوران کسی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیگر موضوعات پر بھی رہبری فرماتے تھے، ایک محاضرے کے آخر میں کہنے لگے:

’’ایک اِنتہائی اہم بات کی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ کلیہ (کالج) کی یہ تعلیم آپ کے مطلوبہ کسی بھی موضوع کے مکمل یا اکثر معلومات کا اس درجہ احاطہ نہیں کرپاتی کہ آپ اس موضوع کے ماہر عالم قرار پائیں، بلکہ اِس مرحلہ میں کسی موضوع کی محض بنیادی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اور آپ کے سامنے نمونے کے طور پر بعض بنیادی مباحث تفصیل سے ذکر

کیے جاتے ہیں؛ تاکہ آپ کے لیے حصولِ علم اور بحث وتحقیق کی راہیں ہموار ہوں اور اس موضوع کے عمومی وخصوصی مراجع اور قدیم ومعاصر مآخذ سے شناسائی ہو، لہٰذا کلیہ میں متعین نصابی کتب کے ساتھ ساتھ اپنی وسعت کے مطابق مزید آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کیجیے؛ تاکہ اُس کی مدد سے تحریری سوالات (کے جوابات حاصل) ہوں۔'' (ص:۴۹، ۵۰)

شیخ کے بقول:

''طالبِ علمی کے ابتدائی زمانہ میں اُن کی یہ بات ہمارے لیے باعثِ حیرت تھی؛ کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ نصابی کتب کے علاوہ ہمیں مزید مطالعہ کی ضرورت نہیں۔'' (ص:۵۰)

ہمارے ہاں بھی درسِ نظامی، بلکہ تخصص کے طلبۂ علم بھی اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور بزعمِ خود ان نصابی کتابوں کو ہی حرفِ آخر سمجھنے لگتے ہیں، جب کہ ہمارے اکابر ومشائخ اس نصاب کو صحیح معنوں میں حصولِ علم کی استعداد پیدا کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں، اور رسمی طالبِ علمی کے بعد کے مرحلے کو علمی ارتقا کا زمانہ ٹھہراتے ہیں، بلاشبہ شیخ موصوف کی یہ نصیحت ہر طالبِ علم کے لیے اہم ہے۔

معروف عرب ادیب استاذ عباس محمود عقاد کی کتاب ''اللّٰهُ جلَّ جلالُه'' شائع ہوئی تو ڈاکٹر محمد ابوشہبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک محاضرے کے دوران طلبہ نے ان سے دریافت کیا کہ عقاد صاحب نے عقیدے کے موضوع پر کتاب کیوں تالیف کی، جبکہ اُنہوں نے قدیم زمانے سے اس موضوع پر اختصاصی مقام کے حامل ادارے ''جامعہ ازہر'' میں تعلیم حاصل نہیں کی؟!

اِس سوال پر ڈاکٹر صاحب موصوف کے جواب کا حاصل یہ تھا: ''عقیدہ کی جو بنیادی کتب، ازہری طلبہ پڑھتے ہیں، وہی دیگر طلبہ بھی پڑھتے ہیں، کوئی طالبِ علم ازہری نہ بھی ہو تو اُن کتابوں کے احاطے سے اُس کا فہم وسیع ہوجاتا ہے۔'' مزید براں فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ استاذ عقاد نے اس کتاب کے لکھنے سے قبل جامعہ ازہر (میں شعبہ کلامیات) کے بنیادی مراجع (مثلاً: ''العقائدُ النسفيّة''، ''المواقف'' اور ''المقاصد'' وغیرہ) میں سے کسی ایک یا زائد کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ ضرور کیا ہوگا، اگرچہ انہوں نے (اپنی کتاب میں) صراحتاً ان کتب سے نقل نہ کیا ہو، نیز عربی واسلامی ذخیرہ پر اُن کی وسیع نگاہ کا شُہرہ ہے، مزید براں اخباروں اور رسائل میں گوناگوں موضوعات پر لکھنے اور تالیفی مشغلہ کی وجہ سے حسبِ ضرورت مغربی لٹریچر پر بھی اُن کی نظر ہے، وہ ''الأهرام'' (مصر کا مشہورِ زمانہ عربی رسالہ) میں ''ما يُقالُ عن الإسلام'' کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے، اُن کے ذریعے اسلام مخالف نظریات اور اشکالات کے تار و پود بکھیرتے اور منصفانہ علمی جوابات تحریر کیا کرتے تھے۔'' ان کی وفات کے بعد سے آج ۲۰۲۲ء تک حد درجہ ضرورت کے باوجود یہ عنوان موقوف ہے۔

بعدازاں شیخ محمد ابوشہبہ نے فرمایا:

’’متنوع مطالعے اور گہری تحقیق کے تعلق سے تم طلبہ کو استاذ عقاد اور اُن جیسے معاصر مفکرین کی پیروی کرنی چاہیے۔‘‘ (ص:۵۰،۵۱)

شیخ احمد کے مطابق:

’’ڈاکٹر صاحب نے اِس موقع پر سیرتِ نبویہ کے موضوع کے تعلق سے عبقری شخصیات کے بارے میں استاذ عقاد کی کتابوں سے ہماری رہبری فرمائی، مثلاً: عبقریّاتُ الخلفاءِ الأربعةؓ، چاروں خلفاءؓ میں سے ہر ایک شخصیت پر موصوف کی مستقل کتابیں ہیں۔‘‘ (ص:۵۱)

## نصابی وخارجی مطالعہ میں توازن کیونکر ہو؟

شیخ احمد کا کہنا ہے: ’’شیخ موصوف کی رہنمائی کی بدولت ہم طلبہ میں ابتدا سے ہی متنوع مطالعہ کا ولولہ پیدا ہو گیا، لیکن ہم میں سے بعض طلبہ کو اس حوالے سے مزید رہبری کی ضرورت محسوس ہوئی کہ متنوع موضوعات پر وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ امتیازی نمبرات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نصابی کتب وموضوعات میں مہارت بھی ضروری ہے، ان دونوں پہلوؤں کو یکجا کرنے کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے؟ جب طلبہ نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ عُقدہ ڈاکٹر محمد ابوشہبہ کی خدمت میں پیش کیا تو ان کا جواب کچھ یوں تھا:

’’اضافی مطالعہ کو نصابی امور پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، لیکن اِضافی مطالعہ، نصابی موضوعات میں فوقیت کے لیے مدد دے سکتا ہے، اگر وقت کی تنگی کی بنا پر تفصیلی مطالعہ نہ ہو سکے تو (خارجی) موضوع اور اُس کے منہج سے آگاہی کی غرض سے یہ ممکن ہے کہ طالبِ علم (خارجِ نصاب) کتاب کے مقدمہ کا مطالعہ کرلے، پھر کتاب کے اخیر میں فہرستِ مضامین (جو اکثر چند صفحوں پر مشتمل ہوتی ہے) کو پڑھ لے، جن عنوانات کے مطالعہ کی ضرورت محسوس ہو ان کی نشان دہی کرلے، تاکہ بوقتِ ضرورت ان مقامات تک رسائی ہو سکے، یوں قاری بہت تھوڑے وقت میں کافی کچھ حاصل کرلے گا، اور حسبِ ضرورت اس کتاب میں نظر سے گزرے موضوعات کی مراجعت بھی ممکن ہوگی۔‘‘ (ص:۵۱)

## بنیادی مآخذ کی اہمیت

ہمارے بعض اساتذہ کہا کرتے تھے:

’’جو طالبِ علم، مراجعِ اصلیہ (کسی علم وفن کے بنیادی مآخذ) کا توسع کے ساتھ مطالعہ کرے گا

اور ان کے دقائق کا فہم حاصل کر لے گا تو وہ امتحان میں آمدہ تحریری سوالات کو حل کر سکے گا، کیوں کہ ان وسیع مآخذ سے ان سوالات (کے جوابات) کا خارج ہونا ناممکن ہے۔'' (ص:۴۹)

شیخ محمد علی اَحْمَدَ یَنْ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد معبد حفظہ اللہ کے کالج کے استاذ تھے، وہ قدیم اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور علمی گہرائی اور طلبہ کو تعلیمی قواعد وضوابط کی پابندی کرانے کے حوالے سے معروف تھے۔ موصوف اکثر اپنے محاضرات میں کہا کرتے تھے:

''تم لوگ صرف ظاہری امور اور کالج میں حاضری کا اہتمام کرتے ہو، جب کہ ہماری نسل کے طلبہ زیادہ تر وقت نصابی کتب کے علاوہ مصادرِ اصلیہ (بنیادی فنی مآخذ) سے آگاہی اور اُن سے استفادہ میں صرف کرتے تھے۔'' (ص:۵۸)

شیخ احمد معبد کے ایک اور استاذ شیخ عبدالوہاب غُزلان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''جو طالبِ علم، علمی شخصیت کی تعمیر چاہتا ہو تو پہلے مرحلے میں اپنے اختیار کردہ اختصاصی موضوع کا مطالعہ کرے، بعد ازاں اُن دیگر موضوعات کا مطالعہ کرے جو اُس کے سامنے آگاہی کے نئے دَر کھولیں، جن سے علومِ اسلامیہ کے مختلف پہلوؤں کے احاطہ میں مدد ملے۔'' (ص:۶۲، ۶۳)

مزید فرمایا:

''میں جن دنوں تفسیر وعلومِ قرآن میں ''اُستاذ'' کا درجہ حاصل کرنے کے لیے تحقیقی مطالعہ تیار کر رہا تھا تو ایسی کتب کا مطالعہ کرتا تھا جن میں مطلوبہ موضوع سے متعلق معلومات ملنے کا خیال ہوتا تھا، اور ایسی کتاب کو اول تا آخر پڑھ ڈالتا تھا، اگر اپنے موضوع سے متعلق کچھ مواد نہ ملتا تب بھی دیگر معلومات کے استفادہ پر مجھے خوشی ہوتی تھی۔'' (ص:۶۳)

ڈاکٹر طٰہ دُسوقی رحمۃ اللہ علیہ اصولِ فقہ میں شیخ احمد کے استاذ رہے ہیں، شیخ احمد کا کہنا ہے:

''اُنہوں نے بارہا ہمیں خیرخواہانہ تاکید فرمائی کہ جو طالب علم بھی علومِ کتاب وسنت میں سے کسی میں تخصص چاہتا ہو تو اسے اپنے تخصص سے متعلق ہر قدیم ماخذ اور معاصر تالیف سے اجمالی یا تفصیلی طور پر آگاہ ہونا چاہیے۔'' (ص:۶۴)

## متقدم ومتاخر محدّثین کے مابین منہجی تفریق

متقدم ومتاخر علمائے محدثین کے درمیان منہج کے اعتبار سے فرق ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کچھ عرصہ سے عرب علماء کی دو جماعتوں کے درمیان موضوعِ بحث بنا ہوا ہے اور اِس کے متعلق کافی کچھ لکھا جا چکا ہے،

’’کویت‘‘ میں اس موضوع پر ایک کانفرنس ہوئی، جس میں ڈاکٹر احمد معبد حفظہ اللہ بھی مدعو تھے، موصوف نے اس موقع پر حاضرین کے سامنے جو تحقیقی مقالہ پیش کیا، اُس کا حاصل انہی کی زبانی کچھ یوں ہے:

’’بلاشبہ گردشِ روز وشب کی بنا پر ائمہ محدثین وعلمائے حدیث میں متقدمین اور متاخرین کے وجود کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا، ہر جماعت کا اپنا مقام ہے اور ان کے علمی کارنامے بھی مخفی نہیں، نیز ہر ایک طبقے کے کاموں پر علمی تحفظات کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اور کوئی متقدم یا متاخر (محدّث) ایسے تحفظات سے محفوظ نہیں، لیکن دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی عمومی اور یقینی زمانی تحدید نہیں پائی جاتی، بلکہ ہر زمانہ (منہجی اعتبار سے) متقدمین ومتاخرین پر مشتمل ہے، لیکن اسے ’’متقدمین اور متاخرین کے مابین منہجی تفریق‘‘ کا عنوان نہیں دیا جا سکتا؛ اس لیے کہ لفظِ ’’منہج‘‘ کا عام مفہوم (یعنی کسی علم کے عمومی قواعد وضوابط) تو تمام محدثین کے نزدیک متفقہ ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس سے زیادہ اختلاف ان عام قواعد وضوابط کی عملی تطبیق میں ہے، اور اس نوعیت کا اختلاف ہر متقدم ومتاخر زمانے اور نسل میں موجود ہے، عمومی طور پر قبولیت یا عدمِ قبولیت کے لیے ایسے مضبوط دلائل کا اعتبار ہوگا جو عام قواعد اور مصطلحات کے موافق ہوں۔‘‘

شیخ احمد کے مطابق:

’’بعد ازاں متقدمین ومتاخرین کے مابین منہجی تفریق کے قائلین میں سے منصف مزاج اہلِ علم نے میری اس رائے سے اتفاق کیا۔‘‘ (ص:۱۲۱)

متقدمین اور متاخرین کے درمیان کے مناہج کے درمیان تفریق کے حوالے سے چھیڑی گئی معاصر بحث میں شیخ موصوف کی مذکورہ رائے متوازن ہے، یوں ہر دور کے اہلِ علم کے مرتبوں کا لحاظ رکھا جا سکے گا، اور ان کی علمی کاوشوں سے استفادہ کا سلسلہ بھی قائم رہے گا۔

شیخ احمد معبد عبدالکریم حفظہ اللہ کی خودنوشت میں سے مذکورہ چیدہ چیدہ نکات وتجربات سے اس نوعیت کی تحریروں کی اہمیت بھی اُجاگر ہوتی ہے، کسی علم وفن میں مہارت حاصل کرنے کے متمنی طالبِ علم کو اس فن کے متخصص علماء وماہرینِ فن کی سوانحات اور آپ بیتیوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے؟ اہلِ علم وفن کی سرگزشتوں میں ضمنی طور پر ایسے قیمتی افادات بکھرے ہوتے ہیں، جن سے بہت سے علمی عُقدے حل ہوتے اور اُلجھنیں سلجھتی ہیں۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

# رمضان کے بعد کی زندگی!

مفتی محمد راشد ڈَسکوی
ڈَسکہ، سیالکوٹ

اللہ رب العزت کی جانب سے دنیا اور آخرت میں انسان کے عمل کے مختلف خوبصورت اور حوصلہ افزا ملنے والے معاوضوں کو اس عمل کا ثواب کہتے ہیں، مثلاً: جب نماز کو اس کے مختلف مسائل کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو بدلے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے گناہوں سے رکنے اور رزق میں برکت ہونے جیسے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان ماہِ رمضان کو اس کے درست شرعی مسائل اور آداب کی رعایت سے بسر کرتا ہے تو دنیا میں اس کا ثواب یہ ہے کہ اس کے کردار میں تقویٰ آتا چلا جاتا ہے اور آخرت میں اللہ کی جانب سے وہ خصوصی اجر کا حقدار ہوجاتا ہے۔

یہاں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ جب ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔'' (البقرۃ:۱۸۳) کا وعدہ موجود ہے، یعنی رمضان میں از خود یہ قوت پائی جاتی ہے کہ اس سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں تو پھر آدمی کو رمضان کے بعد کی زندگی کو سیکھنے اور اپنے اعمال کی درستی کی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

سمجھ لیا جائے کہ قرآن وحدیث کے ایسے وعدوں کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ مثلاً: رمضان کے بعد فرشتے روزہ دار کو زبردستی بازو سے کھینچ کر جوئے کے ڈیرے سے اُٹھا کر نماز کے پھٹے پر کھڑا کردیں گے۔ اور نہ ہی یہ ایسی سادہ بات ہے کہ جب ایک مہینہ روزانہ بار بار کچھ اعمال کو کیا جائے گا تو جسم کو ان کی عادت ہوجائے گی، اور تقویٰ محض یہ بھی نہیں کہ پانچ وقت مسجد میں جانے کی عادت ہوجائے۔

دراصل تقویٰ تو قلب وروح کی پاکیزگی اور درستی کا ایک قدرتی نظام ہے۔ اس نظام میں ہر عبادت کے ذریعے اللہ پاک بندے کے اندر ایک روحانی کیفیت پیدا فرماتے ہیں جس سے اس کے لیے وہ وہ کام کرنا

آسان ہو جاتا ہے جنہیں عموماً سوچا بھی نہیں جا سکتا، چنانچہ رمضان کے روزوں سے بھی آدمی کے اندر دو ایسی صلاحیتیں قوت پاتی ہیں جو آدمی کو نیکی پر چلانے کے لیے کمان کی ڈوری کا کام کرتی ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ وہ صلاحیتیں کیا ہیں؟

۱: رمضان میں شیاطین کے قید ہونے سے انسان میں گناہ سے بیزاری اور نیکی کا شوق بڑھتا ہے۔ اور پورے معاشرے میں جو ایک خاص ماحول اس ماہ مبارک میں بن جاتا ہے، اس میں ان جذبات کو مزید تقویت ملتی ہے۔ دیگر الفاظ میں رمضان انسان میں فرشتوں جیسی صِفت کو ترقی دیتا ہے۔ فرشتوں کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔'' (التحریم:۶) ''اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔'' اس سے آدمی کے لیے اللہ کی اطاعت میں لگنا قطعاً بوجھ نہیں رہ جاتا اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل محسوس نہیں ہوتا۔

۲: اگر کسی کے دل پر اللہ کی جانب سے پردے نہ پڑ گئے ہوں تو ہر انسان کے دل میں نیکی سامنے آنے پر اس کے لیے رغبت، اور برائی سامنے آنے پر اس سے بچنے کی یاد دہانی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ یہ یاد دہانی براہِ راست الہام کے ذریعے ہو، کسی فرشتے کی پکار پر ہو، یا خود اپنے ہی ضمیر کی بے چینی سے ہو، ہوتی ضرور ہے۔ مثلاً: حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

''دَعْ مَا يَرِ يْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِ يْبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَأْنِيْنَةٌ وَّإِنَّ الْكَذِبَ رِ يْبَةٌ.''

(سنن الترمذی، الرقم:۲۵۱۸)

ترجمہ: ''جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے، کیونکہ سچ اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ بے چینی (کا باعث) ہے۔''

اس کے بعد کسی کا دل اس یاد دہانی کو جلد قبول کر لیتا ہے، کسی کا کچھ دیر سے، کوئی اس یاد دہانی کے مطابق اپنے اعمال فوراً درست کر لیتا ہے، کوئی کچھ دیر سے۔ رمضان، دل کو اتنا حساس کر دیتا ہے کہ جب اللہ کا حکم سامنے آئے تو یہ فوراً اعضاء کو اس کی تعمیل کے لیے آمادہ کرتا ہے اور جب کوئی پرکشش گناہ سامنے آ جائے تو یہ دل فوراً اعضاء کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے، جیسا کہ پرہیزگاروں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔''

(الاعراف:۲۰۱)

''جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

اب رمضان المبارک کے ذریعے اللہ حکیم کے اس تربیتی پروگرام کو ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک زنگ آلود اور خستہ حال مشین کو اگر دوبارہ صاف ستھرا اور قابلِ استعمال بنا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ از خود تمام کام کرنے لگے گی، بلکہ کاریگر کو ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے اور جن کاموں کے لیے اس مشین کو تیار کیا گیا ہے، وہ کام اسی کو اس مشین سے لینے ہوں گے، بشرطیکہ اسے پتا ہو کہ یہ مشین کن امور کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اگر مشین کی کسی ضرورت، مثلاً: آئل کی تبدیلی، پانی کی کمی، شارٹ سرکٹ وغیرہ کی صورت میں کوئی میٹر یا الارم متنبہ کرے تو یہ ضرورتیں کاریگر کو ہی متوجہ ہو کر پوری کرنی ہوں گی۔ اسی طرح رمضان کے ذریعہ ہمارے قلب و روح کی ایک تربیت درج بالا دو صلاحیتوں کی صورت میں کر دی گئی ہے، اب یہ ہمارا کام ہے کہ رمضان کے بعد جب بھی دل میں نیکی کے لیے رغبت اور بدی کے خلاف کھٹکا پیدا ہو تو ہم پورے شعور سے متوجہ ہوں۔ اور اپنے جسم سے درست سمت میں وہ کام لیں جن کے لیے رمضان میں اسے تیار کیا گیا ہے۔ رمضان کا بنیادی ہدف انسان میں تقویٰ کی صفت کو پیدا کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔

## تقویٰ

تقویٰ: جس کے انعام کا وعدہ رمضان کے روزوں کے ساتھ جوڑا گیا ہے، مؤمن کے کردار کے ہر پہلو کو سنوارنے اور اس کی حفاظت کرنے والی شے ہے۔ البتہ! اس کردار کے کچھ شعبے ایسے ہیں جن کی تقویت میں ان روزوں کا خاص اور براہِ راست اثر ہے، اور یہ شعبے پھر مؤمن کی باقی زندگی کو بالواسطہ متأثر کرتے ہیں۔ اب ہم ان شاء اللہ! ذیل میں ان شعبوں کے بارے میں مختصر تعارف حاصل کریں گے، تاکہ انہیں بعد از رمضان نظر انداز نہ کیا جائے۔

## تعلق مع اللہ

کہتے ہیں جس چیز کے لیے جان، مال اور وقت لگتا ہے اس کی اہمیت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل پورا ماہ جن مشقوں اور مشقتوں سے مسلمان گزرتا ہے، یہ اس کی اللہ کی ذات سے محبت و تعلق کو بہت زیادہ قوی تر کر دیتی ہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے بھوک برداشت کرنا، پیاس سہنا، بے آرام ہونا، سونے جاگنے میں اوقات کی بے ترتیبی اور روزمرہ کے گھر بار کے دھندوں کے ساتھ لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، اور بسا اوقات یہ سب کچھ کرنے میں اپنے اَمراض کا بھی کچھ خیال نہ کرنا- یہ سب مشقتیں دیکھیے کہ ہمیں کس چیز کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ اعتکاف کے زمانہ میں ساری دنیا اور اس کے ظاہری اَسباب سے کٹ کر اللہ ہی کا ہو رہنا اور طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، بلکہ یہ اس تعلق کو عروج پر پہنچانے والے اعمال ہیں۔

اچھا، پھر ان سب کے ساتھ ایک بڑی اہم بات! آدمی جسمانی تکالیف تو پھر بھی برداشت کر لیتا ہے، البتہ! ذہنی تکلیف اٹھانا اور وہ بھی ایسی جو سمجھ سے باہر ہو، یہ بہت مشکل کام ہے۔ اور جب ایسی تکلیف بلا سوچے سمجھے کسی کی محبت میں اٹھائی جائے تو پھر وہ محبت انتہائی اعلیٰ درجے پر جا پہنچتی ہے۔ ذرا غور کیجیے! ایک عجیب سے وقت پر اٹھ بیٹھنا اور اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کھانا، پھر سارا دن اپنے حلال رزق اور حلال بیوی سے دور رہنا اور پھر سارے دن کے بعد عین آرام کے وقت ٹوٹے ہوئے جسم کو لے کر ایک طویل نماز کے لیے کھڑے ہو جانا، کیا اس میں بہ ظاہر جان، مال اور وقت کا حرج نظر نہیں آتا؟ کیا عموماً ایسے طرز و ترتیب والے کو بے وقوف نہیں کہا جاتا؟ کیا پھر بھی اس ماہ میں یہ سب کچھ خوشی سے نہیں کیا جا رہا؟ کیا یہ سب باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں؟ نہیں، تو کیا ایسا نہیں ہے کہ اس ماہِ مقدس میں انسان کی عقل و سمجھ کو اللہ تعالیٰ کی منشا کے تابع کر دیا گیا ہے؛ اور ایک گوشت پوست کے کمزور خاکی جسم کو حیرت انگیز توانائیاں عطا کر کے اس رحیم و کریم دوست کی دوستی پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار کر دیا گیا ہے؟

اب رمضان کے بعد بھی اس تعلق کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے اور ذاتی خواہشات سے اس کو بچاتے رہنے کی ضرورت ہے، یعنی ہم ہر معاملے میں اللہ رب العزت کی منشا کو ترجیح دیں گے، اگرچہ بظاہر اپنا نقصان ہوتا ہوا نظر آئے اور اس کے دین کو سنت طریقے پر اپنی اور دوسروں کی زندگیوں میں لانے کی کوشش کریں گے۔

## اخلاص

اخلاص کا معنی ہے کسی شے کو ہر دوسری شے کی آمیزش سے پاک کر دینا۔ اصطلاحاً: امام راغب اصفہانیؒ نے اخلاص کی تعریف فرمائی ہے کہ: ''فَحَقِيْقَةُ الْإِخْلَاصِ؛ التَّبَرِّيْ عَنْ كُلِّ مَا دُوْنِ اللهِ تَعَالٰى.'' (المفردات فی غریب القرآن: ۱/ ۲۹۳) یعنی اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت (اور اس کی رضا جوئی) کے علاوہ ہر ایک کی عبادت (اور اس کی رضا جوئی) سے بری ہو جائے۔ اخلاص تمام اعمال کی بنیاد ہے، اس کے بغیر کوئی عمل میزان تک نہیں پہنچ سکتا۔

کسی کام میں عدمِ اخلاص کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی اس کام کے کرنے میں دوسروں سے ممتاز معلوم ہو، اور ایک دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اپنے کام کا بہتر معیار لوگوں کو دکھانے کا موقع ملے، وگرنہ دل میں یہ خیال ہی نہیں گزرتا کہ لوگ میری تعریف کریں۔ ایک وجہ عدمِ اخلاص کی یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی کا کوئی دنیوی نفع اس کام سے جڑا ہوا ہو، اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

دیکھیے! سبحان اللہ کہ رمضان کیسے ان تینوں وجوہات کو مٹا کر انسان کو اخلاصِ نیت کا موقع فراہم کرتا ہے:

(۱) ہر کوئی اسی ایک (روزہ رکھنے والے) کام میں لگا ہے۔

(۲) کوئی اپنی کارکردگی کی خوبی نہیں دکھا سکتا۔

(۳) کام کے اختتام پر اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ ملے گا بھی نہیں۔

دیکھیے! کیسے ایک مسلمان کو صرف اللہ پاک کی رِضا کے لیے مخلص ہوجانے کی مشق سے گزارا جاتا ہے؛ اور یہی کیفیت غیر رمضان کا تقاضا بن جاتی ہے، یعنی: اب جو بھی کام کیا جائے محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی غرض سے ہی کیا جائے۔ اور جب بھی کسی کام کے کرنے میں کوئی اور غرض سامنے آئے، ہم فوراً چوکنے ہوکر اپنی اصلاحِ نیت کی کوشش میں لگ جائیں۔ ہم ہر کام میں سے عدم اخلاص کی درج بالا تینوں وجوہات کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ باقی ان شاء اللہ جب آدمی اخلاص کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پاک بڑی رہنمائی فرماتے ہیں۔

## عبادات

اس سالانہ تربیتی پروگرام میں مؤمنین کی کامیابی کے لیے اللہ رب العزت نے ایک دلچسپ اُسلوب اختیار فرمایا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے مسلمان کو نیکیوں پر لانے اور گناہوں سے ہٹانے کے لیے ان سے متعلق ایسے امور کو بنیاد بنایا ہے جو عموماً بہت چھوٹے سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نیکیوں کی تربیت کے لیے مسلمان کو ایسے امور پر کھڑا کیا ہے جو فرض نوعیت کے نہیں، اور بعض گناہوں کی شدت کے پیشِ نظر اسے جائز اور حلال امور سے بھی روک دیا ہے، مثلاً:

آپ جانتے ہیں کہ نماز کی دین میں کتنی اہمیت بتلائی گئی ہے، چنانچہ اس کی قبیل سے تراویح کی نماز، جو کہ فرض درجہ کی نہیں، کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر حیثیت دے دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ پابندی لگادی کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے متوجہ ہوکر غور سے سنو۔ اس طرح عبادتِ نماز کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ پیدا کردیا۔ بات صرف اتنی ہی نہیں، بلکہ نماز کو تو رسول اللہ ﷺ نے دین میں ایسا بتلایا ہے جیسے جسم پر سر ہوتا ہے:

’’عن ابن عمر رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُول الله ﷺ: إِنَّمَا مَوضِع الصَّلَاة من الدّين كموضع الرَّأس من الْجَسَد.‘‘ (الترغیب والترہیب، الرقم: ۸۱۳)

لہٰذا جسے پورا ماہ روزانہ اس عبادت میں سے گزرتے ہوئے نماز کا شوق ہوگیا ہو اور رکوع وسجود کی

لذت سے وہ آشنا ہو گیا ہو اور پھر رمضان گزرتے ہی وہ اس سے لاپروائی برتنے لگے تو اپنا ہی نقصان اور اپنی ہی کم بختی ہے۔ اسی طرح زبانِ رسالت سے مختلف الفاظ و انداز میں قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و استغفار کو اس مہینے سے مخصوص کر کے بڑی خوبی سے مسلمان کے قلب و زباں کو اللہ رب العزت کی یاد سے مانوس کر دیا گیا ہے، مثلاً فرمایا:

''اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، یَقُوْلُ الصِّیَامُ: اَیْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِیْهِ، وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ، فَشَفِّعْنِيْ فِیْهِ، قَالَ: فَیُشَفَّعَانِ.'' (مسند احمد بن حنبل: ٦٦٢٦)

ترجمہ: ''روزہ اور قرآن (دونوں) بندے کے لیے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے کھانے پینے اور خواہشِ نفس سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما، اور قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا (اور تراویح میں یہ مجھے پڑھتا یا سنتا رہا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دونوں کی شفاعت (اس بندے کے حق میں) قبول کر لی جائے گی۔''

پھر اس یاد کے پھل کا سب سے بڑا حصہ اس فردِ بشر کے لیے رکھا گیا ہے جو اس اللہ کریم کے عفو و کرم کی تلاش اور امید میں اپنے گھر، کاروبار، آرام اور ہر شے سے الگ ہو کر اسی ذات کے توکل پر رمضان کے آخری عشرہ میں خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ اعتکاف اس کے لیے نفلی تھا، لیکن اس کی ترغیب اور پھر اس کے شروع ہونے کے بعد اس کے احکام کے ذریعہ اس کی اہمیت اتنی بڑھا دی گئی کہ یہ روزہ دار اب ان دِنوں میں مکمل طور پر اللہ پاک ہی کا ہو رہے، اسی کی لو لگی رہے۔ اس قرب کی لذت جسے اللہ پاک عطا فرما دیں، الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

اور یہی اس مشق کا تقاضا ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ اپنی عمومی زندگی میں بھی ایمان والے ربِ کائنات پر مکمل توکل کرتے ہوئے دنیا اور اس کے دھندوں میں بقدرِ ضرورت ہی لگیں، اللہ اپنے غیب کے خزانوں سے ان شاء اللہ! ان کے سب کام بنائے گا۔

## انفاق فی سبیل اللہ

اسی طرح دین نے رمضان المبارک میں صدقۃ الفطر یعنی فطرانہ متعارف کرایا۔ یہ صدقہ صاحبِ حیثیت افراد پر، نمازِ عید الفطر سے پہلے پہلے، مستحقین کو ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ معاشرے میں اللہ کی راہ میں

خرچ کرنے اور غرباء کی حاجت روائی کی عمومی فضا قائم کرنے کے لیے، زکوٰۃ اور عام صدقہ سے ہٹ کر، شریعتِ مطہرہ نے فطرانہ میں چار دلچسپ خوبیوں کا اضافہ فرمادیا ہے:

۱: ایک یہ کہ اس صدقہ کے وجوب کے لیے صاحبِ مال کے مال پر ایک سال گزرنا ضروری نہیں، عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت حسب نصاب مال ملکیت میں آ گیا، تو فطرانہ واجب ہوگیا۔

۲: دوسری یہ کہ شریعتِ حکیمانہ نے اس بات کی بھرپور ترغیب دی ہے کہ وہ لوگ جن پر فطرانہ واجب نہیں ہوتا، وہ بھی اس کی ادائیگی کردیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

۳: تیسری یہ کہ ادا کرنے والا محض اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اپنے زیرِ کفالت تمام افراد کی جانب سے صدقہ ادا کرے۔

۴: اور چوتھی یہ کہ اسی لیے لوگوں کی مختلف مالی حیثیت کے پیش نظر فطرانہ کی مختلف مقداریں مقرر فرمائی ہیں، تاکہ کوئی بھی کمانے والا اس صدقہ کی ادائیگی سے محروم نہ ہو، چنانچہ جب زیادہ سے زیادہ لوگ اس صدقہ کی ادائیگی میں سے گزرتے اور مستحقین کی تلاش میں کھپتے ہیں تو یہ بھلائی محض امراء کے دائرہ تک محدود نہیں رہ جاتی، بلکہ پورے معاشرہ میں رواج پاتی ہے۔ ان مستحقین کے اندرونی حالات ان لوگوں پر بھی کھل جاتے ہیں جو پہلے ان سے بے خبر تھے۔ یہ خبر پھر رمضان کے بعد بھی ان کی دلجوئی، غم گساری اور مالی تعاون کے لیے معاشی طور پر ان سے بہتر طبقے کو ضرور اُکساتی رہتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی صفت کو اندر پیدا کرنے کے لیے رمضان میں ہی ایک اور مشق، جو اس سلسلے میں مالدار مسلمان کو غریب مسلمان کے لیے فکر مند کرتی ہے، یہ ہے کہ اُس مالدار کو روزے کی حالت میں اُس کے اپنے رزق سے ہی گھنٹوں دور رکھ کر بھوک کے احساس میں سے گزارا جاتا ہے۔ اس احساس میں سے غریب آدمی سارا سال گزرتا ہے، حالانکہ اللہ پاک نے مالداروں کے رزق میں اس کے لیے ایک حصہ مقرر فرما رکھا ہے، فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔'' (المعارج: ۲۴) ''اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے، سوالی اور بے سوالی کا۔'' البتہ قانوناً یہ غریب آدمی اپنی مرضی سے اپنے اُس حصہ سے لے بھی نہیں سکتا۔ اب مالدار کو بھی اس غریب اور مستحق بندے کی طرح اِس احساس کا تھوڑا سا ذائقہ دیا جارہا ہے کہ اِس مالدار روزے دار کے سامنے اِس کے اپنے گھر میں وہ رزق موجود ہے جس پر اِس کا اپنا مالکانہ حق ہے، مگر روزہ کی وجہ سے یہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

سو رمضان کی برکت سے پیدا ہونے والی اس مبارک کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے رمضان کے بعد والی زندگی میں بھی حتی المقدور اللہ کے راستے میں اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

## حیا اور شائستگی

یہی مندرجہ بالا انداز معاشرے سے بے حیائی کے عمومی خاتمہ کے لیے اختیار کیا گیا ہے؛ یعنی لوگ اپنے جائز ازدواجی تعلق میں بھی خود پر ایسا قابو حاصل کریں کہ کسی نامحرم کی طرف نظر نہ اُٹھے۔ یہی ایک دل ہے جس میں نفسانی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی ایک جسم ہے جس سے ان جذبات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب یہ جذبات مُثبت ہوں یا منفی، ان کا اظہار جائز راستہ سے ہو یا ناجائز راستہ سے، ہر صورت میں یہ جذبات پیدا اسی دل میں ہوں گے اور ان کا اظہار بھی اسی جسم سے ہوگا، لہٰذا جو شخص، مرد ہو یا عورت، باحیا بننا چاہے وہ اپنے اندرونی اسی نظام پر قابو پانا اور اسے درست رخ پر استعمال کرنا سیکھے۔

ایک دوسری بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اگر روزے کی حالت میں مثلاً: میاں بیوی حدود سے آگے بڑھیں تو کیا ان پر بجلی آ گرے گی؟ یا وہ زمین میں دھنس جائیں گے؟ نہیں، اللہ کا عمومی ضابطہ تو ایسا نہیں، تو پھر ان دونوں میاں و بیوی کو باوجود تنہائی کے کئی مواقع ملنے کے ان کے حدود سے آگے بڑھنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ تو جان لیجیے کہ یہ تو دراصل اس ذاتِ اکبر کی ناراضی کا خوف ہے جو ہر کسی کو نافرمانی سے روکے رکھتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سارا سال یہ خوف ہر نافرمانی کے موقع پر قائم رہنا چاہیے۔

ان دونوں باتوں کی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے، یعنی دل میں اللہ پاک کی ناراضی کا خوف رکھنا اور اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ یہ اس تفصیل کا موقع نہیں ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کے لیے اس سلسلہ میں روزے کے مکروہات ومفسدات کے کیا کیا احکام ہیں؟ یہاں بس یہ اشارہ دینا مقصود ہے کہ ان احکام سے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے سختی نہیں بلکہ ہماری تربیت فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم سارا سال اپنی زندگیاں پاکیزہ طور پر گزارنے کے لیے اس تربیت میں سے شعوری طور پر گزریں، صرف یہی نہیں کہ جناب بڑی مشکل سے کچھ ضابطوں کی پابندی کر لی ہے اور ہر دفعہ کی طرح بس روزے رکھ لیے ہیں۔ اب سوچیں کہ اس مشق کے اعلیٰ تربیت یافتہ شخص کے سامنے جب رمضان کے بعد کسی شیطانی حملے کے موقع پر اندر سے یہ آوازیں پیدا ہوں گی کہ: ’’قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔‘‘ (النور: ۳۰) ’’مؤمن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے۔‘‘ اور ’’وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔‘‘ (النازعات: ۴۰) لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات

سے روکتا تھا؛ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی، تو کیا یہ شخص ان شاء اللہ اس امتحان سے کامیابی سے گزر نہیں جائے گا؟! یہ تربیت ان شاء اللہ اس وقت کام آئے گی اور یہ اندر کی آواز کو پہچاننا، سمجھنا اس تربیت کے لیے مفید ہوگا۔ کسی معاشرے کا حسن، اس کی صفتِ ''حیا'' ہے، جبکہ اس کی کمی اللہ تعالیٰ کے غضب کو متوجہ کرنے کا سبب ہے، اور مذکورہ طریقے سے ان شاء اللہ اس غضب کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔

## اَخلاق اور حسنِ معاشرت

زیرِ مطالعہ یہی اسلوبِ تربیت ایک مسلمان کے انفرادی اَخلاق کی تعمیر اور اجتماعی حسنِ معاشرت میں بھی کارفرما ہے۔ ایک بہت چھوٹی سی مثال ملاحظہ فرمائی جائے۔ عام دنوں کی طرح رمضان میں بھی لوگوں کے گھر اور کاروبار کی ذمہ داریوں کے اوقاتِ کار مختلف ہی ہوتے ہیں، پھر بھی اس ماہ میں روزانہ ہر کھانے کے وقت گھر کے تمام افراد اکٹھے ایک دسترخوان پر موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا اس ترتیب کو اپنی عمومی زندگی میں لاگو کرنے سے ہر کنبے کے افراد میں باہمی محبت اور تعلق میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہوگا؟!

اسی طرح اس ماہِ عظیم میں بظاہر معمولی دِکھنے والی کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر بڑی بڑی اخلاقی برائیوں کی صفائی کر دی گئی ہے، مثلاً: غیبت، ایک عام مسلمان سات پردوں میں بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاتا، مگر اس کے لیے غیبت کرنا بیت اللہ میں بیٹھ کر بھی آسان ہے۔ غیبت کے متعلق قرآن وسنت میں واضح ارشادات موجود ہیں، پھر بھی اسے رمضان کے ساتھ خصوصی طور پر نتھی کیا گیا۔ دو خواتین کو روزہ میں حالت غیر ہونے کے باعث قے کروائی گئی اور ان کے اندر سے تازہ گوشت کے لوتھڑے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس حالت کا سبب یہ بتایا کہ وہ دونوں سارا دن لوگوں کی غیبت میں مصروف رہیں۔ ملاحظہ ہو:

> ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھیں اور جب تک میں اجازت نہ دوں اس وقت تک کوئی روزہ افطار نہ کرے۔ لوگوں نے روزہ رکھا، جب شام ہوئی تو ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی: میں سارے دن روزے سے رہا ہوں، آپ مجھے افطار کی اجازت دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افطار کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: آپ کے گھر کی دو کنیزیں صبح سے روزے سے ہیں، آپ انہیں بھی افطار کی اجازت دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے اعراض کیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا روزہ نہیں ہے، ان لوگوں کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں؟ جاؤ! انہیں جا کر کہو: اگر وہ روزہ دار ہیں تو قے کریں،

انہوں نے قے کی تو ہر ایک سے جما ہوا خون نکلا۔ اس شخص نے جا کر حضور نبی اکرم ﷺ کو خبر دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مر جاتیں اور وہ جما ہوا خون ان میں باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھاتی۔“ (مسند ابی داؤد الطیالسی، الرقم: ۲۲۲۱)

گویا قرآن مجید نے جو اس گناہ کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قرار دیا ہے، تو روزے کے دوران اس واقعہ سے اس بات کی عملی تشریح لوگوں کے سامنے آ گئی۔ یہ واقعہ اور ایسے ہی کچھ دیگر واقعات کی بنا پر کچھ فقہاء یہاں تک گئے ہیں کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ آدمی کسی سے بدزبانی نہ کرے، بلکہ یہاں تک ترغیب دی گئی کہ اگر کوئی تم سے جھگڑنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ بھئی میرا روزہ ہے؛ یعنی مجھ سے جھگڑا نہ کرو، یا یہ کہ میں جھگڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ روزے کی اپنی کیفیات میں ایسا تأثر رکھ دیا کہ خود ہی کسی سے زائد بات کرنے سننے کو جی نہ چاہے۔

اس کے علاوہ خصوصی حکم جاری کیا گیا کہ رمضان میں روزہ داروں کی مشقت کم کردی جائے۔ اس کا معنی محض یہ نہیں ہے کہ اپنے ملازمین کے اوقاتِ کار کم کردیئے جائیں، بلکہ اس کی وسعت میں تھوڑا غور کر کے دیکھیں؛ باہمی احسان وشکرگزاری، ہمدردی، ایثار، محبت، رشتوں کی قدر وقربت اور احساس کی مٹھاس اس حکم میں پائی جاتی ہے۔ مختصر اشارے سے یوں سمجھیے کہ اپنے گھر میں اور گھر سے باہر اپنے تمام ماتحتوں سے ان کی ذمہ داریوں کا بوجھ جتنا ہوسکے ہلکا کردیجیے؛ اور اپنے سرپرستوں سے مطالبات جتنا ہوسکے کم کردیجیے۔ شاید یہ ہے روزہ دار کی مشقت کم کرنے کا مفہوم، اور اگر یہی ہے تو ان لوگوں کا تصور کیجیے جو ان اخلاق کو اپنے مزاج کا حصہ بنا کر رمضان سے نکل رہے ہیں کہ وہ کیسا خوبصورت معاشرہ تشکیل دیں گے۔

شریعتِ حَسَنہ کی یہ چھوٹی چھوٹی ترغیبات ہم سے تقاضا کررہی ہیں کہ ہم رمضان کے بعد بھی اپنی زندگی کو حضور ﷺ کی مبارک سنت کی روشنی میں ان صفات کے مطابق ڈھالیں۔

یہ کچھ معروضات ترتیب دے دی گئی ہیں۔ اہلِ علم وتقویٰ تھوڑی سی جستجو کرلیں تو اس سمندر کی تہوں سے اور بھی کئی گوہر نکالے جاسکتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو محض اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ ہم اس پر غور کریں کہ یہ مبارک ومحترم مہینہ کن کن طریقوں سے ہماری تربیت کرتا ہے؟! اور پھر اس تربیت کی روشنی میں یہ غور کریں کہ اب آئندہ کے زمانہ میں یعنی رمضان کے بعد اگلے رمضان تک کے زمانہ میں ہم پر عمومی طور پر ہماری انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے بارے میں کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟!

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی حکمتوں سے آشنا فرمائے اور اخلاص واحسان سے پُر اعمال کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

# نامور محدث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ کا اسلوبِ تدریس

مولوی عبدالرحمٰن سلیم
متعلم تخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

اسلام نے شروع دن سے ہی تعلیم وتعلم پر زور دیا ہے، ''اقرأ وعلم بالقلم'' سے شروع ہونے والا وحی کا سلسلہ جو تقریباً ۲۳ سال پر محیط رہا، اس میں وقتاً فوقتاً مختلف انداز سے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا، یہ تعلیم ہی کی برکات تھیں کہ وہ صحرا نشینِ عرب جن کی زندگی آپس کے جنگ وجدل، انساب واحساب پر فخر، اور تجارت کے لیے مختلف ممالک کے سفر کے گرد گھومتی تھی، وہی لوگ جب اسلام کی آغوش میں آئے تو عالمِ انسانیت کو امن وامان کا درس دیا، تعلیم کو عام کیا، جگہ جگہ ماہرینِ فن اساتذہ نے درس وتدریس کے حلقے لگائے، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے دروس اسلامی ممالک میں مختلف مقامات پر شروع ہوئے، تعلیم کا عمومی رواج مسلم معاشرہ میں عام ہوا، جہالت کے اندھیرے رفتہ رفتہ معاشرے سے ختم ہونا شروع ہوئے۔

شرعی تعلیمات کے بنیادی مآخذ میں سے دوسرا ماخذ احادیثِ مبارکہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے، اس ذخیرہ کی حفاظت اور صیانت کی خاطر جو محدثین نے محنتیں اور ریاضتیں کی ہیں تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے، قرآن کریم کی طرح احادیث کی تدوین میں بھی انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا، تحقیق کے جو معیارات انسانی ذہن کے سامنے آسکتے تھے، ان سب کو سامنے رکھا گیا ہے، یہ کیوں نہ ہوتا؟! جبکہ اس کی دعوت اور تعلیم خود قرآن مجید سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ''(۱)

''(بغیر تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو، بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو) خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''(۲)

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس کے متعلق تعلیمات ملتی ہیں، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک جنگ میں صبح کے وقت حملہ کیا، دشمن نے ڈر کے مارے پسپائی اختیار کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی جماعت کا پیچھا کیا، اسی دوران حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ہاتھ ایک آدمی آیا، جس نے لا إله إلا الله کہا، ان کا گمان تھا کہ اس نے ڈر کے مارے کلمہ پڑھا ہے، اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا، جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی اس کو قتل کر دیا؟!! حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے موت کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، دل سے نہیں پڑھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے لا إله إلا الله پڑھنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا؟! کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر نہیں دیکھا؟ (معلوم ہو جاتا کہ خوف سے کہا ہے یا دل سے کلمہ پڑھا ہے)۔ (۳)

قرآن وحدیث اس قدر تحقیق کے بعد امت تک پہنچے، بلکہ وہ رجالِ کار جنہوں نے اس علم کے ساتھ اشتغال رکھا، ان کی زندگی کے حالات بھی امت تک پہنچے۔

تدریس دیگر فنون کی طرح ایک فن ہے، جس کا سیکھنا ازبس ضروری ہے کہ کس طرح طالب علم کے ذہن میں آسانی سے فن کی باتوں کو اُتارا جائے، مختلف درجے کی ذہنیتوں کا لحاظ رکھا جائے، اسلوبِ بیان کا خیال رکھا جائے، فنی مباحث کے حل پر توجہ دی جائے، طلبہ کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے جائیں اور فن کی اہم کتب کا تعارف کرایا جائے۔

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ برصغیر کی انہی شخصیات میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے طرزِ تدریس میں تحقیقی اسلوب کو اختیار کیا، تحقیقی طرزِ اسلوب سے حاصل فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

## تدریس میں تحقیقی طرز کے فوائد

۱: علم کا شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔
۲: استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔
۳: تلاش وجستجو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
۴: فن میں رسوخ حاصل کرنے میں معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔
۵: فن سے متعلقہ کتب کا خصوصاً اور دیگر فنون کی کتابوں کا عموماً تعارف ہو جاتا ہے۔
۶: کتابوں سے اُنسیت ہو جاتی ہے۔
۷: متنوع کتابوں کی طرف رجوع کرنے سے مختلف گوشے دماغ میں آتے ہیں۔

۸: مختلف کتابوں کی مراجعت سے مباحث کی گونا گوں جہات سامنے آتی ہیں، نیز بکھرے مباحث کو یکجا کرنا اور ان سے درست نتیجہ نکالنا آسان ہوجاتا ہے۔

۹: مشکل مباحث کے حل کرنے سے لذت وسرور حاصل ہوتا ہے، جو انسان کو علمی زندگی میں آگے سے آگے بڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

۱۰: علمی مباحث میں مشغولیت، فکری انتشار سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

## مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ کا خاندانی پس منظر

مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ نے ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء ریاست ٹونک (راجپوتانہ) میں ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ (۴) مولانا حیدر حسن خاںؒ بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے، آپؒ کے والد صاحب کا نام مولانا احمد حسن خاںؒ تھا، جن کے بزرگ ''بونیر'' (خیبر پختونخواہ، پاکستان) سے نجیب آباد (انڈیا) میں آکر رہ گئے تھے، مولانا احمد حسن خاںؒ کے دو بڑے بھائی مولانا محمد حسن خاںؒ اور مولانا محمود حسن خاںؒ تھے، مولانا محمد حسن خاںؒ کو فقہ میں انتہائی کمال حاصل تھا، موصوف ریاست ٹونک کے مفتی مقرر ہوئے، مفتی ولی حسن خاں ٹونکیؒ جو پاکستان کے مفتی اعظم اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث بھی رہے، وہ انہی مولانا محمد حسن خاںؒ کے پوتے تھے۔ جبکہ مولانا محمود حسن خاںؒ بھی غیر معمولی قابلیت کے حامل تھے، انہوں نے ''معجم المصنفین'' تصنیف کی، جس میں آغازِ اسلام سے لے کر مصنف کے زمانہ تک مسلمان مصنفین کے حالات قلمبند کیے ہیں، جس کے متعلق بعض محققین کا اندازہ ہے کہ وہ ۶۰ جلدوں اور ۲۰۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تقریباً ۴۰۰۰۰ علماء کے حالاتِ زندگی کو قلمبند کیا گیا ہے، اس کی ۴ جلدیں مملکتِ آصفیہ (حیدرآباد، دکن، انڈیا) سے شائع ہوچکی ہیں، اسی طرح ''اصولِ توارث'' پر ایک پرمغز رسالہ بھی زیبِ قرطاس کیا۔ (۵)

مولانا حیدر حسن خاںؒ کا بھائیوں میں تیسرا نمبر تھا، جو ہمارے اس عنوان کی زینت ورونق ہیں، چوتھے بھائی مولانا مظہر حسن خاںؒ تھے، جو علمِ اَلسنہ اور عربی ادب میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، عرصہ تک میسور کے ایک کالج میں پروفیسر رہے۔ پانچویں بھائی مولانا حکیم مسعود حسن خاںؒ تھے، موصوف بھی عالم فاضل اور طبیب تھے۔

مولانا حیدر حسن خاںؒ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم کے حصول اور استفادہ کے لیے پیدا کیا تھا۔ نوعمری سے جوانی تک خوب محنت سے علم حاصل کیا، زندگی کے شب وروز علمی مصروفیتوں میں صرف ہوتے، اس غرض سے لاہور، دہلی، بھوپال وغیرہ مختلف شہروں کی خاک چھانی، علوم میں محض رسمی تکمیل

پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مروجہ علوم میں کمال درجہ کی مہارت پیدا کی۔

## تدریسی زندگی کی ابتدا

اسلامی تاریخ میں ہمیشہ صاحبِ فن کی قدر کی جاتی رہی ہے، اُمت نے ہمیشہ ایسے اہلِ علم کی صلاحیتوں کا لوہا مانا ہے جنہوں نے کسی بھی فن میں اختصاصی صلاحیتیں حاصل کی ہوں، اور اُس فن میں مہارتوں کے مالک ہوں۔ ریاستِ ٹونک کے سرپرست صاحبزادہ عبدالرحیم کے دینی جذبہ نے علومِ دینیہ اور فنونِ عقلیہ میں مدرسہ ناصریہ کو یکتائے روزگار بنادیا تھا، ان کی اسی قدردانی کی بدولت ماہرینِ فنون، ذی استعداد مدرسین کشاں کشاں یہاں آنے لگے۔

مولانا حیدر حسن خاںؒ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اسی مدرسہ سے کیا، مولانا اگرچہ نوآموز تھے، لیکن بہت جلد ہی ان کی صلاحیت اور استعداد کے جوہر کھل کر سامنے آنے لگے: ''مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' (خوشبو وہ ہے جو سر چڑھ کر اپنا وجود منوائے، عطر فروش کو اس کے گیت گانے کی ضرورت نہ ہو)۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی فنی مہارت اور قوتِ تدریس کی دھوم مچ گئی، ٹونک اگرچہ اہلِ کمال کا مرکز تھا، بڑے بڑے جید علماء مسندِ تدریس پر جلوہ افروز تھے تو دوسری طرف خود مدرسہ ناصریہ بھی اہلِ کمال کا مرکز تھا، ایسے کسی نئے آدمی کی دال گلنا مشکل تھی، مگر چند ہی دنوں میں سربرآوردہ اور برسوں کے منجھے ہوئے اساتذہ ان کی استعداد کے قائل ہوگئے، نتیجۃً اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔

## ندوۃ العلماء سے وابستگی

دارالعلوم ندوۃ العلماء عرصہ سے کسی مشہور استاذِ حدیث اور ماہرِ فن استاذ کا متلاشی تھا، ۱۹۲۱ء میں شیخ محمد عرب (خلف الرشید شیخ حسین ابن محسن انصاریؒ) کے استعفیٰ کے بعد سے شیخ الحدیث کی جگہ خالی تھی، مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کا دورِ نظامت چل رہا تھا، وہ خود شیخ حسین کے شاگردِ رشید تھے، ان کی نظر اپنے استاذ بھائی مولانا حیدر حسن خاںؒ کی طرف گئی، جن سے وہ ٹونک سے واقف تھے، اور ان کے کئی عزیز بھی ان کے شاگرد رہ چکے تھے۔ حکیم صاحب مولانا کے علم وفضل، تقویٰ اور مہارتِ فن سے خوب واقف تھے، انہوں نے مولانا کو ان کے شاگردِ عزیز مولانا سید طلحہ حسنیؒ کی وساطت سے ندوہ آنے اور شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن صاحبزادہ عبدالرحیم خاں جیسے عالی حوصلہ رئیس اور قدرداں کے دل کو تکلیف پہنچانا ان کے مذہب میں رَوانہ تھا، عرصہ سے اُدھر سے اصرار، اِدھر سے انکار جاری رہا، بالآخر صاحبزادہ عبدالرحیمؒ کے انتقال کے بعد مولانا نے ماہِ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ مطابق اگست ۱۹۲۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پیشکش کو قبول فرمایا اور حدیث کی بڑی

کتابیں مولانا کے سپرد ہوئیں۔

ندوۃ العلماء میں تدریس کی ابتداء ۱۹۲۱ء سے ہوئی، جس میں درمیان میں کچھ حالات کی ناسازی کی وجہ سے ندوۃ العلماء سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ۱۹۲۳ء میں دوبارہ ندوہ سے متعلق ہوئے، یوں یہ سلسلۂ تدریس ۱۹۴۰ء تک ۱۷ سالوں پر مشتمل رہا۔

حضرتؒ کے تلامذہ میں سے مشہور مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مولانا عمران خان ندوی، مولانا احمد جعفری ندوی رحمہم اللہ شمار ہوتے ہیں، اور ہمارے اساتذہ کے استاذ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ بھی حضرت کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے حضرتؒ سے خوب استفادہ کیا اور ان کے اسلوبِ تحقیق اور منہج کو اپنایا اور اپنے تلامذہ کے ذریعے اس کے احیاء کا ذریعہ بنے۔

## اندازِ تدریس

مولانا نے حدیث کی کتابیں شیخ محسن یمانیؒ سے پڑھی تھیں، اور ان کے اسلوبِ تدریس سے انتہائی متاثر تھے۔ آپ نے بھی اسی اسلوب کو اپنی تدریس میں اپنایا، اس اسلوب کو درج ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

### ۱: مآخذ کی آگاہی

کسی بھی فن میں گہرائی اور گیرائی حاصل کرنے کے لیے اس کے مآخذ سے واقفیت ناگزیر امر ہے، خصوصاً اس فن کے بنیادی مآخذ جنہیں (Primary Sources) کہا جاتا ہے، اسی طرح طالب علم کی نظر اس فن کے ثانوی مآخذ پر بھی ہو۔ مولانا کو مآخذ کی آگاہی اور ان کے مراتب کی ذہن نشینی پر کمال حاصل تھا، طلبہ کو ان سے شناسا کرادیتے تھے۔

### ۲: آدابِ مطالعہ

طلبہ کو جہاں مصادرِ اصلیہ اور فرعیہ سے متعارف کراتے، وہیں انہیں مطالعہ کا طریقہ بھی بتلاتے، مثلاً: مطالعہ کس طرح کیا جائے؟ اسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟ کس طرح کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا جائے؟ مطالعہ کے وقت کن آداب کو پیشِ نظر رکھا جائے؟ وغیرہ۔

### ۳: اندازِ بیان

مولانا فقہی مسائل میں مذہبِ حنفیت کے دلائل کے لیے محض کتبِ فقہ پر اکتفاء کے بجائے کتبِ

حدیث کا بھی انتخاب کرتے، اس سے جہاں ایک طرف طلبہ کے دل میں حنفیت کی عظمت میں اضافہ ہوتا تو دوسری طرف حنفیت پر جو آثار سے انحراف اور قیاس واجتہاد پر اکتفاء کی تہمت لگائی جاتی رہی ہے، نفی ہوتی، دیگر طبقات ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ احناف احادیثِ ضعیفہ سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ دیگر فقہاء اسی باب میں احادیثِ صحیحہ کو اپنا مستدل بناتے ہیں، ایسے مقامات میں مولانا کتبِ حدیث سے ہی ان کا جواب دیتے، جو تحقیقی اصولوں پر مبنی ہوتا۔

### ۴: وسعتِ مطالعہ

کسی بھی فن میں اختصاص حاصل کرنے کے لیے مسلسل بنیادوں پر اس کا مطالعہ ضروری ہے، شب و روز اس کے مذاکرہ ومطالعہ میں بسر ہوں، مولاناؒ نے چونکہ اپنی ذات کو شروع ہی سے علمی مصروفیات کے لیے وقف کررکھا تھا، زندگی کا اوڑھنا بچھونا علم اور مدرسہ کی چہار دیواری تھی، اس کا اثر تھا کہ مولانا کا مطالعہ اتنا وسیع وعمیق ہوتا کہ جن ابواب میں موافق دلائل ملنے کا گمان بھی نہیں ہوتا، ان سے اپنے مسلک کی تائید میں روایات نکال لیتے تھے، مثلاً: اوقاتِ نماز، تراویح کی رکعات کی تعداد، صاع کی مقدار وغیرہ اور اس طرح کے بیسیوں مسائل میں ان کی تحقیق وتلاش اُن کی وسعتِ نظر کا پتہ دیتی تھی۔

### ۵: حقیقت اور عقیدت

طلبہ کرام میں عام طور پر اساتذہ کی عقیدت واحترام کا عنصر کبھی افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے اگر کسی استاذ سے عقیدت ومحبت ہوتو اس کی ہر بات حرفِ آخر سمجھنے لگتے ہیں، طرہ یہ کہ بعض اوقات عقیدت کے جوش میں ان کی کسی غلط بات کو بھی صحیح بات کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مولانا کا مزاج اس کے برخلاف تھا، وہ ''حقیقت، عقیدت سے بالاتر'' کے اصول پر عمل پیرا تھے، تحقیق کے میدان میں کسی بھی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، اور نہ ہی عقیدت کی بنیاد پر کسی کا دعویٰ بے دلیل تسلیم کرتے تھے۔

### ۶: اصولِ حدیث سے اعتناء

سلسلۂ بحث میں اصولِ حدیث کے مباحث زیرِ بحث آجاتے، اس بارے میں ان کا ذوق بہت بلند تھا، اصولِ حدیث کی متداول کتابوں کے علاوہ نادر نسخے بھی ان کے پیشِ نظر ہوتے۔

### ۷: طلبہ کو اہم نصیحت

طلبہ سے کہا کرتے تھے: ''مخالف کے دلائل، مخالف کی زبان سے سن کر سمجھ لو، جو لوگ ثانوی ذرائع

سے معلومات حاصل کرتے ہیں، بسا اوقات انہیں دھوکہ ہوجاتا ہے، اور وہ مخالفین کی طرف ایسے خیالات منسوب کردیتے ہیں، جنہیں وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔‘‘

### ۸: حنفیت کے دلائل اکٹھے کرنا

مولانا کا شمار متصلب حنفیہ میں ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف عقیدت کی بنیاد پر وہ پکے حنفی تھے، بلکہ ان کا تصلب دلائل وشواہد کی بنیاد پر تھا۔ وہ موافق ومخالف ہر نوع کی تصانیف سے جس قدر ممکن ہوتا، دلائل جمع کرتے، اور طلبہ کو اُن دلائل سے آگاہ کرتے۔

### ۹: فقہاء کے مناہج کی جان کاری کرانا

میدانِ تحقیق میں کتابوں کا تعارف جس قدر وسیع ہوگا، محقق کی تحقیق میں اسی قدر توسُّع وتنوُّع ہوگا، جس طرح کتب کا تعارف ضروری ہے، اسی طرح ان کے مناہج کی واقفیت بھی بے حد ضروری ہے۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی طرح مولانا کے اسلوبِ تدریس میں ہمیں یہ پہلو نظر آتا ہے کہ وہ اپنے درس میں حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء کے خیالات سامنے لاتے، اُن کی اہم تصانیف ذکر کرتے، ان کے طرزِ استدلال سے واقف کراتے، ان کے نہج کا طریقہ اور انداز بناتے۔

### ۱۰: تحقیقِ رواۃ کا منہج

احادیث کے راویوں کے حالات کے لیے میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب اور لسان المیزان کو تنقیدی نظر سے پڑھتے تھے، متقدمین کی کتابوں میں ان کی سند تلاش کرتے تھے، فرماتے تھے: ’’راوی کی توثیق وتضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک راوی ایک محدث کے یہاں ضعیف ہو، جبکہ دوسرے کے یہاں وہ وجہ باعثِ ضعف نہ ہو، غرضیکہ جرح وتعدیل میں راوی کے حالات کے لیے تفصیلی مطالعہ ضروری ہے، صرف نقلِ اقوال پر اکتفا کرنا درست نہیں۔‘‘

### ۱۱: اسلوبِ تحقیق میں تنوُّع

مولانا کا طرزِ تحقیق صرف حدیثی اور فقہی مباحث کے ساتھ خاص نہ ہوتا، بلکہ اگر کسی لفظ کے سمجھنے کی نوبت آتی تو ائمہ لغت اور علمائے معانی و بیان کی اہم تصانیف کھلتیں، کلامِ عرب سے استشہاد ہوتا، الفاظ کی حقیقت اور مختلف زبانوں میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی جاتی، بڑی تحقیق اور تفتیش کے بعد کوئی رائے قائم کی جاتی۔

## ۱۲: مختلف مسالک کے طلبہ کی شرکت

مولانا کے درس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے درس میں چاروں فقہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور غیر مقلد طلبہ بھی شریکِ درس ہوتے۔ آپ سطحی سوچ رکھنے والے طلبہ کے بجائے ان طلبہ کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جو غور وخوض، بحث وتحقیق کے عادی تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ ان کے طلبہ میں زورِ تحقیق موجزن نظر آتا ہے۔ بزرگوں کی تعظیم، اسلاف کا احترام، محدثین کی عزت اور فقہاء کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا۔ یہ بات ان کے ذہن ودماغ میں بس چکی تھی کہ اکابر ہوں یا اصاغر، متقدمین ہوں یا متأخرین، سب کی تعظیم کرنی چاہیے۔

نوٹ: یہ مضمون مولانا عبدالسلام قدوائی ندویؒ کی کتاب: ''مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ'' اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''پرانے چراغ'' (جلد اول، ص:۱۵۹-۱۷۷) سے تیار کیا گیا ہے۔

## حوالہ جات

۱: الحجرات: ٦

۲: مولانا اشرف علی تھانویؒ، بیان القرآن۔

٣: أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (ت: ٢٣٥هـ)، المصنف، الرياض السعودية، دار كنوز إشبيليا للنشر والتوزيع، تحقيق: سعد بن ناصر بن عبد العزيز أبو حبيب الشثري: ١٨/ ٣٦٧، رقم: ٣٣١١، باب: "فيما يمتنع به من (من القتل) وما هو؟ وما يحقن الدم؟."

٤: محمد عامر الصديقي الطونكي، "حياة العلامة المحدّث حيدر حسن خان الطونكي"، طونك، الهند. ١٩٩٩ء، معهد مولانا أبي الكلام آزاد للبحوث العربية والفارسية، راجستان، ص: ٩٣.

٥: محمد عامر الطونكي، "حياة العلامة المحدّث حيدر حسن خان الطونكي"، ص: ٩٥

# کرپٹوکرنسی کے حامیوں کا طریقۂ واردات

## اسلامک فنانس اور معیشت کی اسلامائزیشن کی آڑ میں

جناب ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ
کارک انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی
(سی آئی ٹی) آئرلینڈ

ابھی حال ہی میں وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے سود کے معاملے پر حکومتِ پاکستان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ پانچ سال کی مدت میں ملکی معیشت کو سود سے پاک کر کے غیر سودی اسلامی نظامِ معیشت قائم کرے۔ وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے پر پاکستان کے عوام اور علمائے کرام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اب ان شاء اللہ پاکستان کو سودی بینکاری کے نظام سے نجات دلائی جائے گی اور معیشت کی اسلامائزیشن کی جائے گی۔ اسی تناظر میں کراچی میں حُرمتِ سود سیمینار کا انعقاد ہوا، اس حد تک یہ یقیناً خوش آئند بات ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔'' (البقرۃ:۲۷۵) اس تناظر میں علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی پوری توجہ اس سودی نظام کو ختم کرنے کی طرف ہے اور مبیّنہ طور پر اس کے متبادل نظام یعنی غیر سودی اسلامی نظامِ معیشت کو عملی طور پر نافذ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

البتہ تشویش کی بات یہ ہے کہ اسلامک فنانس اور معیشت کی اسلامائزیشن کی آڑ میں کرپٹوکرنسی کے حامی اور فروغ دینے والے حلقے اب بہت تیزی سے سرگرمِ عمل ہوگئے ہیں۔ گو کہ یہ حضرات پہلے بھی بہت کوششیں کرتے رہے ہیں، مگر اس نازک مرحلہ یعنی غیر سودی اسلامی نظامِ معیشت کو عملی طور پر نافذ کرتے وقت جو بنیادی ذہن سازی وہ کر رہے ہیں، وہ یہ کہ کرپٹوکرنسی بیع اور تجارت کی ایک شکل ہے، یہ سودی نظام کا متبادل ہے اور اسلامی معیشت میں کرپٹوکرنسی کو بطورِ آلۂ مبادلہ کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ تشویش مزید گہری ہوجاتی ہے، جب کچھ حکومتی کمیٹیوں، شریعہ ایڈوائزری کمیٹی کے ممبران اور مختلف مالیاتی اداروں اور بینکوں کے شریعہ

ایڈوائزری بورڈز میں ایسے مفتیانِ کرام موجود ہیں جو کہ کرپٹوکرنسی کے پروپیگنڈہ کے زیرِ اثر ہیں اور بہت ہی شَدّ ومد کے ساتھ پارٹی بن کر کرپٹوکرنسی کے جواز کی تحریک چلا رہے ہیں۔ راقم کی یہ تشویش محض ذہنی اختراع نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک پسِ منظر ہے جس کو ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے، جس کی کچھ تفصیلات تمہیداً پیش کیے دیتا ہوں۔

حال ہی میں ایک صاحبِ علم کی جانب سے یہ کہا گیا کہ اُن کو سن ۲۰۱۶ء میں تخصص کرتے وقت امریکی پروفیسر چارلس ایوان کا تحقیقی مقالہ [1] بعنوان ''اسلامک بینکنگ اور فنانس میں بٹ کوائن'' Bitcoin in Islamic Banking and Finance جو کہ سن ۲۰۱۵ء میں ''جرنل آف اسلامک بینکنگ اور فنانس'' میں چھپا تھا، حوالے کیا گیا تھا جس کی بنیاد پر انہوں نے کرپٹوکرنسی پر اپنی تحقیق شروع کی۔ پھر اسی تحقیقی مقالے کی بنیاد پر سن ۲۰۱۸ء میں ایک فقہی مقالہ لکھا گیا اور پھر پاکستان کے اندر کرپٹوکرنسی کے جواز کے حوالے سے ایک نئی بحث چھیڑ دی گئی اور بہت زور وشور کے ساتھ کرپٹوکرنسی کی ترویج واشاعت پر کام شروع ہوا۔ بنیادی طور پر مدارس کے نوجوان علمائے کرام اور خاص طور پر اسلامک فنانس کے شعبے میں کام کرنے والے مفتیانِ کرام کو کرپٹوکرنسی کے جواز پر قائل کرنے کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں۔ اسی تناظر میں اسلامک فنانس اور معیشت کی آڑ میں ایک پوری کھیپ ایسے علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی تیار کی گئی جن کو یہ باور کروایا گیا کہ اصل نجات کرپٹوکرنسی کو اختیار کرنے میں ہی ہے اور یہ مروجہ سودی بینکاری نظام کے خلاف ایک مضبوط نظام ہے۔

اگر بات کچھ علمائے کرام تک محدود ہوتی تو سمجھ میں آتی، مگر کچھ ادارے بھی کرپٹوکرنسی کے جواز کے قائل حضرات کی پشت پناہی کرنے لگے اور ایسے لوگوں کو اسلامی تحقیق کے نام پر اپنے اداروں میں پنپنے دیا گیا اور پھر انہی لوگوں نے ان اسلامی اداروں میں کئی سالوں تک کرپٹوکرنسی سے متعلق دیگر لوگوں کی ذہن سازی کی، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب علم ہوگیا کہ کرپٹوکرنسی جُوا اور سٹے بازی کی بدترین شکل ہے تو ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی اور ادارہ جاتی سطح پر اُن حضرات کے ایجنڈے کو مزید پنپنے نہ دیا جاتا، مگر معاملہ تا حال اس کے برعکس ہے، مگر ہم اللہ رب العزت کی ذات سے اُمید رکھتے ہیں کہ ان شاء اللہ! حق غالب ہوکر رہے گا اور کرپٹوکرنسی کے اس ہندسوں کے گورکھ دھندے، اور قمار بازی کی خطرناک نئی شکل سے امتِ مسلمہ کو نجات ملے گی، آمین۔ دیکھیے! یہ سب کچھ الزام تراشیاں نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ایسے نوجوان مفتیانِ کرام کے اخلاص پر کوئی شبہ کرتے ہیں، مگر صورت حال یہ ہے کہ ان نوجوان مفتیانِ کرام کی اس حد تک ذہن سازی کی گئی ہے کہ اگر ان کے سامنے کوئی سائنسدان صحیح بات پیش کرتا ہے تو وہ ان باتوں کو قبول نہیں کرتے، بلکہ ایسے سائنسدانوں اور معاشی ماہرین پر یہ تنقید شروع کردیتے ہیں کہ یہ سائنسدان اُمتِ مسلمہ کو سودی نظام، عالمی معاشی اداروں کی

اجارہ داری، اور یہودی نظام کے مخالف نظام کو اپنانے میں رکاوٹ بن رہے ہیں ۔

پھر انہی کچھ کرپٹوکرنسی کے حامی حضرات نے یہ تأثر پیش کرنے کی کوشش کی کہ کرپٹوکرنسی ایک بہت مشکل تکنیکی مضمون ہے اور پرانے طرزِ خیال رکھنے والے مفتیانِ کرام کی سوچ وفکر اس تک نہیں پہنچ سکتی کہ وہ کرپٹوکرنسی کی مبادیات کو بھی سمجھ سکیں اور نہ ہی اُن مفتیانِ کرام میں ایسے جدید موضوعات کو سمجھنے کی صلاحیت ہے ۔ اسی فکر کو مزید پُراثر کرنے کے لیے ایسے نوجوان مفتیانِ کرام کو خاص طور پر اپنا ہم خیال بنایا گیا جن کو انگریزی زبان پر بھی عبور تھا، جو میڈیا سے بھی وابستہ تھے اور اسلامی معیشت، ڈیجیٹل فنانس اور عصری علوم پر بھی کام کررہے تھے ۔ اس پروپیگنڈہ کا اتنا اثر ہوا کہ سوشل میڈیا پر کچھ مشہور مفتیانِ کرام نے کرپٹوکرنسی کے جواز کا فتویٰ بھی جاری کردیا ۔ نتیجتاً پاکستان کے نوجوان بے دریغ کرپٹوکرنسی میں سرمایہ کاری کرنے لگ گئے ۔ بات اسی پر ختم نہیں ہوئی، بلکہ کچھ اداروں میں کرپٹوکرنسی کے حامی لوگوں نے نئی ٹیکنالوجی کو مفتیانِ کرام کو متعارف کروانے کی آڑ میں (تاکہ مفتیانِ کرام مسئلہ کی ماہیت کو سمجھ کر اس کی فقہی تکییف کرسکیں) ایسے کورسز بھی متعارف کروائے جن میں کرپٹوکرنسی کی خرید وفروخت اور اس کے ذریعے سے پیسہ کمانے کو نوجوان علمائے کرام کو سکھایا گیا اور ایسے ہزاروں نوجوان علمائے کرام کے لیے ٹیلی گرام، واٹس اپ اور فیس بک گروپ بنائے گئے جن میں ان حضرات کو کرپٹوکرنسی میں سرمایہ کاری کرکے پیسہ بنانے کا طریقہ سکھایا گیا۔

جب ایسے کچھ علمائے کرام سے رابطہ کیا گیا جو اس پروپیگنڈہ کے زیرِ اثر آ گئے تھے تو جن حضرات کے کرپٹوکرنسی سے مفاد وابستہ نہیں تھے، انہوں نے کرپٹوکرنسی کی ماہیت کو سمجھنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنے جواز کے فتویٰ سے رجوع کرلیا الحمدللہ، بلکہ انہوں نے اس کاوش کو بھی سراہا کہ ان تک کرپٹوکرنسی کی صحیح تکنیکی تفصیلات پہنچائی گئیں ۔ البتہ کئی سالوں کے اس وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کا یہ اثر ہوا کہ پورے پاکستان کے علمائے کرام تین حصوں میں بٹ گئے: اول وہ علمائے کرام جنہوں نے کرپٹوکرنسی کے جواز کی رائے اختیار کی اور ان میں خاص طور پر نوجوان متخصص علمائے کرام کی بہت بڑی تعداد شامل تھی ۔ دوم اور سوم وہ جید مفتیانِ کرام ہیں جن کے تقویٰ وفراست اور فقہی بصیرت نے اُن کو مدد فراہم کی کہ وہ اس طریقۂ واردات کو بھانپ جائیں، اور اُن میں سے دوم کیٹیگری نے کرپٹوکرنسی سے متعلق توقف کی رائے اختیار کی، تاآنکہ اس پروپیگنڈہ کی دھند چھٹ جائے اور سوم کیٹیگری وہ جید مفتیانِ کرام تھے جنہوں نے اپنے طور پر کرپٹوکرنسی کے نظام کو سمجھا اور پھر اس کے عدمِ جواز پر فتویٰ جاری کیا۔

اسی اول کیٹیگری میں جو نئے نوجوان مفتیانِ کرام تخصص سے فارغ ہوئے انہوں نے اپنے اداروں

میں اور اپنی سطح پر کرپٹوکرنسی کی ترویج و اشاعت شروع کی، کیونکہ ان تمام حضرات پر یہ باور کروایا گیا تھا کہ کرپٹو کرنسی سودی نظام کے خلاف لائی گئی ہے، جو عالمی معاشی اداروں کی اجارہ داری ختم کرتی ہے اور معاشرے میں معاشی مساوات پیدا کرتی ہے۔ اُن کو مزید تقویت دینے کے لیے کچھ خود ساختہ کمپیوٹر ماہرین کے ذریعے اُن حضرات پر مزید پروپیگنڈہ کروایا گیا اور یہ باور کروایا گیا کہ کرپٹوکرنسی ہی مستقبل ہے، پھر اس بات کو مزید تقویت دینے کے لیے عصری علوم کے اداروں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی معیشت سے متعلق ماہرین اور پروفیسر حضرات کے ذریعے سے نہ صرف یہ کہ کرپٹوکرنسی کو سپورٹ کیا گیا، بلکہ ان نوجوان مفتیانِ کرام کو یہ بھی باور کروایا گیا کہ آپ کی یہ سوچ اور فکر درست ہے اور یہ سب کچھ ایک وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کے ذریعے کیا گیا۔ نیز اسی تناظر میں کئی نوجوان مفتیانِ کرام کو عصری علوم و اسلامک فنانس کے مختلف موضوعات پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی تفویض کی گئیں۔ اب موجودہ صورت حال یہ ہے کہ نوجوان مفتیانِ کرام کی ایک پوری کھیپ تیار ہوچکی ہے جو کہ کرپٹوکرنسی کو اسلام معاشی نظام کی اَساس سمجھتی ہے اور اُن کی سائنسی استعداد ہی بننے نہیں دی گئی کہ وہ صحیح رُخ پر اور معیاری سائنسی تحقیق کرسکیں، الا ماشاء اللہ۔

عالمی تناظر میں کئی اسلامی ممالک میں کرپٹوکرنسی کو اسلامی معیشت کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور چونکہ عالمی سطح پر اسلامی ممالک میں سائنسی تحقیق کا فقدان ہے اور ایسے محققین و سائنسدان کمیاب ہیں جو کہ عالمی سطح پر مانے جاتے ہوں، لہٰذا خاص طور پر اسلامی ممالک میں پروپیگنڈہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان سائنسدانوں اور محققین سے رجوع کیا جاتا جو کہ عالمی سطح پر کمپیوٹر سائنس، بلاک چین اور کرپٹوکرنسی کے موضوع پر ماہر مانے جاتے ہیں، اس کے برعکس نوجوان مفتیانِ کرام کو ٹارگٹ کیا گیا اور اُن کے ذریعے سے کرپٹوکرنسی کو اسلامی بینکنگ اور معیشت کے ساتھ جوڑا گیا۔

اب ہم امریکی پروفیسر چارلس ایوان کے اُس تحقیقی مقالہ بعنوان ''اسلامک بینکنگ اور فنانس میں بٹ کوائن'' Bitcoin in Islamic Banking and Finance جو کہ سن ۲۰۱۵ء میں ''جرنل آف اسلامک بینکنگ اور فنانس'' میں چھپا تھا، کی طرف آتے ہیں جس کی بنیاد پر پاکستان کے تناظر میں کرپٹوکرنسی کے جواز کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ راقم چونکہ دنیا کے ایک فیصد بہترین سائنسدانوں میں شامل ہونے کا اعزاز رکھتا ہے، لہٰذا نہ صرف یہ کہ راقم کو سائنسی تحقیق سے متعلق وسیع تجربہ ہے، بلکہ دنیا کے بہترین سائنسی جرائد کے اندر کلیدی ایڈیٹوریل عہدوں پر بھی فائز ہے۔ اس کے علاوہ راقم پچھلے کئی سالوں سے سائنسی اصولِ تحقیق اور سائنسی اخلاقیات بھی ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے طلباء کو بطور مضمون پڑھا رہا ہے۔ اس مضمون کی تدریس میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے طلباء کرام کو جب سائنسی تحقیق کرنا سکھائی جاتی ہے تو سب سے پہلا درس جو دیا جاتا

ہے، وہ یہ کہ طلبائے کرام نے معیاری سائنسی تحقیق پڑھنی ہے اور معیاری سائنسی تحقیق ہی کرنی ہے۔ سائنسی تحقیق شروع کرتے ہوئے جو بنیادی سوالات کے جوابات ڈھونڈنے ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱: جو سائنسی مقالہ پڑھا جا رہا ہے وہ کس سائنسی جریدے میں چھپا ہے؟

۲: جو تحقیقی مقالہ پڑھا جا رہا ہے اس میں کس معیار کی تحقیق پیش کی گئی ہے؟

۳: اس تحقیقی مقالہ میں سائنسی اصول وضوابط کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے کہ نہیں؟

۴: اس سائنسی جریدے کا عالمی سائنسی دنیا میں کیا معیار ہے؟

۵: اس سائنسی جریدے کا ایمپکٹ فیکٹر کتنا ہے؟

۶: اس سائنسی جریدے میں کس معیار کے تحقیقی مقالے چھپتے ہیں؟

۷: یہ سائنسی جریدہ کس سائنسی پبلشر کے نظم کے تحت شائع ہو رہا ہے؟

۸: اُس پبلشر کی اپنی وقعت سائنسی دنیا میں کیسی ہے؟

۹: اس سائنسی جریدے کے ایڈیٹوریل بورڈ میں کس معیار کے سائنسدان اور محققین شامل ہیں؟

۱۰: اس مقالے کو لکھنے والے محقق اور سائنسدان کا خود عالمی سائنسی دنیا میں کیا مقام ہے؟

۱۱: وہ کسی ادارے سے منسلک ہے؟

۱۲: اور اس موضوع پر وہ کتنی مہارت رکھتا ہے؟ اور اس سے پہلے وہ اس موضوع پر کتنے تحقیقی مقالے لکھ چکا ہے؟

۱۳: اس سائنسدان اور محقق نے کس سائنسدان کی سرپرستی میں پی ایچ ڈی کی اور کس یونیورسٹی سے اس نے پی ایچ ڈی کی؟

۱۴: پی ایچ ڈی کرنے کے بعد تدریس وتحقیق سے وابستہ ہونے کے بعد اس سائنسدان اور محقق نے کتنی تحقیق اور کس معیار کی تحقیق کی؟

اب جب اس طرح کے سوالات کے جوابات ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے والے طلباء کو ڈھونڈنے آجاتے ہیں تو اُن میں یہ سائنسی استعداد اور صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ کسی بھی تحقیقی مقالہ کو پڑھ کر اس بات کی نشاندہی کرسکتے ہیں کہ وہ تحقیقی مقالہ کس معیار کا ہے؟ اور اس کی سائنسی اہمیت کتنی ہوگی؟ اور پھر اسی بنیاد پر وہ خود اچھی اور معیاری سائنسی تحقیق کرنا سیکھتے ہیں اور پھر نتیجتاً اچھی اور معیاری سائنسی تحقیق مزید پروان چڑھتی ہے اور پھر ایسی سائنسی تحقیق انسانیت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

جب ہم سن ۲۰۱۵ء میں چھپنے والے پروفیسر چارلس ایوان کے اس تحقیقی مقالے کا سائنسی طور پر

جائزہ لیتے ہیں، یعنی اوپر پیش کیے گئے سوالات کے جوابات ڈھونڈتے ہیں تو کئی چونکا دینے والے حقائق سامنے آتے ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ پروفیسر چارلس ایوان کا یہ تحقیقی مقالہ انتہائی غیر معیاری سائنسی جریدے میں چھپا ہے اور سائنسی دنیا میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ سائنسی جریدہ ۲۲۰ امریکی ڈالر [۲] لے کر غیر معیاری مقالے بھی چھاپ دیتا ہے، جو کہ پروفیسر چارلس ایوان کے مقالے کو پڑھنے سے ہم پر عیاں ہے کہ یہ مقالہ غیر معیاری ہے۔ اس طرح کے سائنسی جرائد کی پوری ایک کھیپ دنیا میں موجود ہے جو کہ پیسے لے کر غیر معیاری سائنسی مقالے عالمی سطح پر چھاپ دیتی ہے۔ دیکھیے! ہم قطعاً یہ نہیں کہہ رہے کہ Fee Charing Open Access Journals ''پیسوں کے عوض کھلی رسائی والے'' تمام سائنسی جرائد غیر معیاری ہوتے ہیں، بلکہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پیسے لے کر بہت سارے سائنسی جرائد غیر معیاری سائنسی مقالے چھاپ دیتے ہیں اور اگر ہم سائنسی شعبے میں کام کر رہے ہیں تو ہمیں اس طرح کے غیر معیاری پیسوں والے سائنسی جرائد کی نشاندہی کرنی آتی ہو اور اس طرح کے جرائد کو جعل ساز جرائد یعنی پری ڈیٹری جرائد Predatory Journals کہا جاتا ہے اور اس کی پوری فہرست موجود ہے۔ اسی وجہ سے صرف اچھے معیار والے سائنسی جرائد میں ہی چھاپنا چاہیے۔ اس جریدے کی کلیریٹیو Clarivate Journal Citation Report میں بھی انڈیکسنگ نہیں ہے جو کہ عالمی سائنسی جرائد کے معیارات متعین کرتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان کے ہائر ایجوکیشن کمیشن (ایچ ای سی) کی سائنسی جرائد کی رینکنگ کے اندر بھی اس جریدے کا شمار نہیں ہوتا۔

اسی تحقیقی مقالے پر پروفیسر چارلس ایوان کی وابستگی بیری یونیورسٹی امریکہ میں موجود ایک کیتھولک یونیورسٹی سے کی گئی ہے۔ [۳،۴] البتہ انٹرنیٹ پر اور یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر ان کے نام پر کوئی سائنسی تحقیقی مواد ہمیں نہیں ملا۔ یہ کافی حد تک تشویشناک بات ہے، کیونکہ سائنسدان اور محققین اپنے سائنسی تحقیقی کاموں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں اور یہ ساری معلومات انٹرنیٹ پر بآسانی مل جاتی ہیں۔ نیز ان کا عالمی سائنسی دنیا میں کوئی قابل مقام نہیں ہے۔ محض کسی عالمی جریدے میں مقالہ چھاپ دینا پیسے دے کر اور انگریز نام ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ جو مقالہ لکھا گیا، جہاں پر چھپا، اور جس نے لکھا وہ سب سائنسی طور پر درست ہیں، لہٰذا کسی کی تحقیق کی بنیاد اگر ایسے غیر معیاری مقالہ پر رکھی گئی ہے تو وہ بنیاد ہی غیر معیاری اور غیر سائنسی ہے۔ ہم ایک اصطلاح استعمال کرتے ہیں ''گی گو'' یعنی GIGO جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کچرا ڈالا جائے گا تو کچرا نکلے گا اور اس کا مفہوم اس طرح لیا جاسکتا ہے کہ اگر ہم معیاری سائنسی تحقیق پڑھیں گے تو ہماری سائنسی بنیاد بھی مضبوط ہوگی اور اس سے سائنسی استعداد بھی بڑھے گی۔ اگر ہم غیر معیاری سائنسی مقالہ جات پڑھیں گے اور انہیں

غیر معیاری سائنسی جرائد میں چھاپیں گے تو ہم عالمی سطح پر اپنا لوہا سائنس میں نہیں منوا سکیں گے۔

اب ہم قارئین کی خدمت میں پروفیسر چارلس ایوان کے اس تحقیقی مقالے کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، اس سے آپ خود ہی اندازہ لگالیجئے کہ کس طریقے سے خاص اسلامی فقہی اصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے کرپٹو کرنسی کے بارے میں اسلامک فنانس اور بینکنگ کے حلقوں میں اثر انداز ہونے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان چند اقتباسات کا ترجمہ اور مفہوم درجِ ذیل ہے:

It concludes that Bitcoin or a similar system might be a more appropriate medium of exchange in Islamic Banking and Finance than riba-backed central bank fiat currency, especially among the unbanked and in small-scale cross-border trade.

''اس تحقیقی مقالہ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اسلامک بینکنگ اور فنانس کے نظام میں مروجہ کاغذی کرنسی (جو کہ سینٹرل بینک جاری کرتا ہے اور جس کی بنیاد رِبا ہے) کے مقابلے میں بٹ کوائن یا اس جیسا نظام ایک مناسب آلۂ مبادلہ ہوسکتا ہے، خاص طور پر اُن لوگوں کے لیے جو بینک پر انحصار نہ کرتے ہوں اور چھوٹے پیمانے پر کراس بارڈر تجارت کرتے ہوں۔''

XBT is free of riba, whereas fiat is lent into existence in exchange for riba.

''ایکس بی ٹی (بٹ کوائن) رِبا سے پاک ہے، جبکہ فیاٹ کرنسی ربا کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔''

With regard to risk-sharing and cost sharing, at its foundation Bitcoin operates according to musharakah, in which 'miners' operate as general partners in loose confederation, who share the costs and benefits of maintaining the system.

''جہاں تک رسک کے اشتراک اور لاگت کے اشتراک کا تعلق ہے، بٹ کوائن بنیادی طور پر مشارکہ کے تحت کام کرتی ہے جس میں مائنرز عمومی شراکت داری کے تحت کام کرتے ہیں، جو کہ لاگت اور فوائد کو آپس میں بانٹتے ہیں، تاکہ نظام برقرار رہے۔''

Bitcoin incorporate the principles of maslaha (social benefits of positive externalities) and mutual risk-sharing (as opposed to risk-shifting).

''بٹ کوائن میں مصلحہ (سماجی فوائد) اور باہمی رسک شیئرنگ (رسک دوسروں پر ڈالنے کے

برعکس) کے اصول شامل ہیں۔‘‘

The executives of a group of Islamic Banks—either an affiliated group or a loose confederation—could organize a virtual currency exchange under the principal of musharakah, in order enable those banks' customers to buy and sell XBT efficiently, in order to transfer value amongst themselves and to bypass the inefficiencies of the status quo banking system.

’’اسلامی بینکوں کے ایگزیکٹوز، مشارکہ کے اصول کے تحت ایک ورچول کرنسی ایکسچینج بنا سکتے ہیں، تاکہ ان اسلامی بینکوں کے صارفین مؤثر طریقے سے بٹ کوائن کی خرید و فروخت کرسکیں اور قدر کو ایک دوسرے تک منتقل کرسکیں اور جو مروجہ اسٹیٹس کو بینکنگ نظام میں خرابیاں ہیں، ان سے بچ سکیں۔‘‘

دیکھیے! صرف اس تحقیقی مقالے میں ایک شوشہ چھوڑ دیا گیا کہ بٹ کوائن اسلامی معاشی نظام کے تحت آلۂ مبادلہ کے طور پر کام کرسکتا ہے، جب کہ اس بات کے کوئی سائنسی شواہد اور دلائل فراہم نہیں کیے گئے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مضبوط سائنسی دلائل اور شواہد کی بنیاد پر ثابت کیا جاتا کہ کیوں بٹ کوائن سود اور رِبا کے بالکل مخالف ہے؟ اور کیسے یہ آلۂ مبادلہ کے طور پر کام کرسکتا ہے؟

قارئین یہ بات یاد رکھیں کہ یورپی یونین کی اقتصادی اور مالیاتی امور کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ یورپین پارلیمنٹ میں جمع کروائی ہے جس میں عالمی معاشی ماہرین کے مطابق ڈیجیٹل کرنسیوں کو بطور آلۂ مبادلہ Medium of Exchange استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔[۵] نیز کرپٹو کرنسیوں کو بطور قدر شمار کرنے کے Unit of Account استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کرپٹو کرنسیاں، کرنسی کے بنیادی اوصاف پر پورا نہیں اُترتیں۔ ایک اور سائنسی تحقیق کے مطابق بٹ کوائن کو بطور کرنسی استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ تقریباً دو سے پانچ فیصد لوگوں نے بٹ کوائن کو چیزوں اور اشیاء کی خریداری کے لیے استعمال کیا، جبکہ پچانوے فیصد لوگوں نے اس کو بطور سرمایہ کاری کے استعمال کیا۔[۶] یورپی سپروائزری اتھارٹیز صارفین کو خبردار کرتی ہیں کہ بہت سے کرپٹو اثاثے انتہائی رِسکی اور سٹے بازی یعنی قیاس آرائی پر مبنی ہیں۔ یہ زیادہ تر ریٹیل صارفین کے لیے بطور سرمایہ کاری یا ادائیگی یا تبادلے کے لیے موزوں نہیں ہیں۔[۷]

عالمی معاشی ماہرین نے کئی سائنسی تحقیقات کی ہیں جن کے اندر اس بات کا تجزیہ کیا ہے کہ بٹ کوائن کرپٹو کرنسی دیگر کرنسیوں اور اثاثوں کے مقابلے میں کیسی ہے۔ ایک سائنسی تحقیق اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ

بٹ کوائن سونا Gold اور امریکی ڈالر US Dollar اور دیگر اثاثوں سے کسی طرح بھی مماثلت نہیں رکھتا[۸]۔ ایک دوسری سائنسی تحقیق اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ دیگر ۱۶ اقسام کے دیگر روایتی اثاثوں جن میں قیمتی دھاتیں، کرنسی، بونڈ وغیرہ (Bond, Energy, Equity, Metal,Currency) کے مقابلے میں کرپٹوکرنسی ہرگز مماثلت نہیں رکھتی اور بہت زیادہ ریٹرن دیتی اور اُتار چڑھاؤ بہت زیادہ ہے۔[۹]

جب ہم پروفیسر چارلس ایوان کے تحقیقی مقالہ میں کیے گئے دعووں پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ یہ دعوے بالکل بے بنیاد ہیں اور اسی وجہ سے دنیا بھر کے عالمی معاشی ماہرین اور سائنسدان اس طرح کے دعووں کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہی سائنسی طور پر بے بنیاد دعووں کی وجہ سے ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کیوں دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں اس تحقیقی مقالے کو نہیں چھاپا گیا؟ اور کیوں ایک ایسے جریدے میں چھاپا گیا جس کی کوئی سائنسی اہمیت نہیں؟ حتیٰ کہ ایچ ای سی کی رینکنگ کے مطابق بھی اس جریدے کی کوئی وقعت نہیں۔ دیکھیے! یہ ہمارے اُن صاحبِ علم کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس بات کو سمجھتے اور پڑھنے سے پہلے اس بات پر غور فرماتے کہ اس مقالے کی سائنسی اہمیت کیا ہے؟

مسلمان شراب کو حرام مانتے ہیں، شراب پینا تو در کنار، اس کو چکھنے کے بارے میں کوئی مسلمان سوچے گا بھی نہیں، چہ جائیکہ کسی مسلمان سے یہ امید کی جائے کہ وہ شراب کی بھلائیوں کی ترویج و اشاعت کرے گا۔ اب اگر کوئی مسلمان اٹھے نعوذ باللہ، امریکہ اور یورپ کے غیر مسلم لوگوں کو یہ سمجھائے کہ دیکھیے! شراب پیجیے، اس میں آپ کی بھلائی بھی ہے اور نجات بھی، اور وہ مسلمان ایک فقہی مقالہ پاکستان کے کسی فرضی سائنسی جریدے میں شراب کے فوائد پر شائع بھی کردے تو ہم اس سارے عمل کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ بس یہی کچھ یہاں پر ہوا ہے کہ ایک کٹر غیر مسلم پروفیسر چارلس ایوان بٹ کوائن کے بارے میں جو کہ جُوا اور سٹے بازی کی بدترین شکل ہے، ہم مسلمانوں کو ہماری ہی اسلامی وفقہی اصطلاحات کے اندر فوائد گنوار ہا ہے اور یہ ترغیب دے رہا ہے کہ یہ بٹ کوائن سودی نظام کے خلاف ہے اور اپنے اس تحقیقی مقالے کو انتہائی بوگس اور غیر معیاری سائنسی جریدے میں شائع کررہا ہے اور پھر اس مقالے کی مسلمانوں میں ترویج شروع کردی جاتی ہے۔ پھر ایک مدرسہ کے تخصص کرنے والے صاحبِ علم کو تحقیق کے نام پر چارلس ایوان کا یہ تحقیقی مقالہ حوالہ کردیا جاتا ہے اور پھر وہ صاحبِ علم اپنی پوری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرکے بٹ کوائن کو اسلامی شرعی احکامات کے تابع کرنے کی کوششیں شروع کردیتے ہیں۔ اور پھر جب کوئی کمپیوٹر سائنس، بلاک چین و کرپٹوکرنسی کا ماہر اُن کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ یہ ساری باتیں سائنسی طور پر درست نہیں تو اس سائنسدان پر نہ صرف یہ کہ الزامات کی منظم بوچھاڑ کردی جاتی ہے، بلکہ بہت ہی منظم طور پر اور تندہی کے ساتھ

کرپٹوکرنسی کو اختیار کرنے کے لیے تحریک چلائی جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح اسلاف کے پاس جب کوئی شخص بات لے کر جاتا تو وہ پارٹی نہ بنتے تھے، بلکہ اگر حق بات ہوتی تو اپنی رائے سے رجوع فرمالیتے۔ یہاں پر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیکھیے! جب پاکستان کے ہی بڑے بڑے اکابر کرپٹوکرنسی کو جوا اور سٹہ بازی کہیں، جب اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کرپٹوکرنسی کو محض فرضی نمبروں کا کھیل کہے اور بڑے بڑے جید مفتیانِ کرام اور دارالافتاء کرپٹوکرنسی کے عدمِ جواز کے قائل ہوں تو کرپٹوکرنسی کے پروپیگنڈہ سے متاثر مفتیانِ کرام کا کرپٹوکرنسی کے جواز پر نہ صرف یہ کہ اصرار کرنا بلکہ اسی کو مستقبل قرار دینا سمجھ سے بالاتر ہے اور سمجھ نہیں آتی کہ اس کو کس چیز سے تعبیر کریں؟

اب ہم ایک اور مثال کے ذریعے سے بتاتے ہیں کہ کس طریقے سے ہمارے محترم نوجوان مفتیانِ کرام کرپٹوکرنسی کے اس بھیانک پروپیگنڈے میں آچکے ہیں اور کس طریقے سے بے خبری میں اس پروپیگنڈہ کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہم اللہ رب العزت سے خاص طور پر دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ہم سب کو سیدھے راستے پر چلائے اور صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے، آمین۔ چونکہ راقم ساری دنیا کے مضامین پڑھتا ہے تو ایک صاحبِ علم کا انگریزی کا تحقیقی مقالہ بھی نظر سے گزرا۔ [۱۰] یہ مقالہ ایک پاکستانی جریدے کراچی اسلامیکس ’’Karachi Islamicus‘‘ میں شائع ہوا۔ میں دردِ دل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس تحقیقی جریدے کی عالمی سائنسی دنیا میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ نیز عالمی سطح پر پاکستانی جرائد اور دیگر اس طرح کی غیر معیاری عالمی سائنسی جرائد کو سائنسی دنیا تسلیم نہیں کرتی، لہٰذا اگر کوئی اس طرح کے جرائد کے اندر اپنے تحقیقی مقالے چھاپتا ہے تو عالمی سائنسی دنیا میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ورلڈ رینکنگ میں ان جرائد کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، لہٰذا اللہ کے لیے کوئی بھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اس نے ایک تحقیقی مقالہ ایک پاکستان سائنسی جریدے میں چھاپ دیا اور پھر وہ بٹ کوائن کے جواز کے دلائل دے، کل آخرت میں ہم سب کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، تو کہیں یہ خوش فہمی آخرت میں پکڑ کا ذریعہ نہ بن جائے۔

اس مقالے کا مقصد مصنف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے عربی، انگریزی اور اردو میں کرپٹو کرنسی سے متعلق مقبول آراء (کام) کو اکھٹا کیا اور ان کے نتائج کو ترتیب دیا، تاکہ آسانی سے آگے اس موضوع پر کام ہوسکے۔ پہلے مصنف نے بٹ کوائن اور بلاک چین کا تعارف کروایا ہے، پھر مصنف نے Money اور بٹ کوائن کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر مصنف نے بٹ کوائن اور ورچول کرنسیوں سے متعلق شرعی آراء کا ذکر فرمارہے ہیں اور آخر میں خلاصہ پیش کیا ہے۔ نیز ایک ضمیمہ بھی آخر میں موجود ہے، جس میں ۹ شریعہ اسکالرز سے اپنے پوچھے گئے ۱۴ سوالات کے جوابات درج کیے گئے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ مصنف نے جو مقالہ لکھا ہے وہ تحقیقی اعتبار سے غیر معیاری ہے، مثلاً: سوالات کرنے کے اندر عالمی سائنسی معیار کو مدِنظر نہیں رکھا گیا۔ جن ۹ شریعہ اسکالرز کو منتخب کیا گیا اور پھر ان کے جوابات لکھے گئے ہیں تو ان کی آراء مجموعی طور پر کم و بیش کرپٹو کرنسی کے جواز سے متعلق ہی آنی تھیں۔ اگر مصنف ان ۹ شریعہ اسکالرز کے بجائے وہ ۹ شریعہ اسکالرز اختیار کرتے جو کہ کرپٹو کرنسی کے عدمِ جواز کے قائل ہیں (مثلاً دارالعلوم دیوبند کے مفتیانِ کرام وغیرہ) تو سو فیصد کرپٹو کرنسی کے عدمِ جواز کی رائے ملتی، لہٰذا جس کسی نے بھی مصنف کو سروے کے ایسے غیر سائنسی طریقہ کار کو اختیار کرنے کا کہا ہے کہ سوالات کو اس طرح ترتیب دیں اور سروے اس طرح ترتیب دیں، اور پھر شریعہ اسکالرز کو اس طرح منتخب کریں کہ سب کی رائے کرپٹو کرنسی کے جواز کے بارے میں آئے اور پھر اس سے یہ نتیجہ پیش کریں کہ اسلامک اسکالرز کرپٹو کرنسی کے جواز کے قائل ہیں، یہ طریقۂ استدلال اور طریقۂ تحقیق غیر معیاری ہے۔ راقم مصنف کی خدمت میں یہ عرض کرے گا کہ مستقبل میں ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں، تاکہ مصنف کی تحقیقی کاوشیں ضائع نہ ہوں۔ سائنسی سوالات کس طرح مرتب کیے جاتے ہیں، اس کے لیے یہ کتب مطالعہ کے لیے مفید ہوں گی۔ [۱۱، ۱۲، ۱۳]

پھر جو سوالات مصنف نے شریعہ اسکالرز سے پوچھے اور جو اُن کے جوابات آئے، وہ بھی بہت حیران کُن تھے، مثلاً: ایک سوال یہ کیا گیا کہ کیا بٹ کوائن کو لوگ تسلیم کرتے ہیں جو اس کے جواب میں تمام شریعہ اسکالرز نے رضامندی ظاہر کی۔ افسوس، صد افسوس! پوری دنیا میں عالمی معاشی ماہرین اور سائنسدان کرپٹو کرنسی کو کرنسی ہی تسلیم نہ کریں اور اس پر سائنسی شواہد پیش کریں اور مصنف یہ نتائج پیش کر رہے ہیں جن کی کوئی بھی سائنسی بنیاد بھی نہیں۔ پھر ایک سوال یہ کیا گیا کہ کیا کرپٹو کرنسی ذخیرۂ قدر یا مالیت کو محفوظ کرنے کا ذریعہ Store of Value بن سکتی ہیں؟ اس کے جواب میں ان تمام حضرات نے کہا کہ ہاں وہ کر سکتی ہیں۔ یہ بھی سائنسی اور عالمی معاشی ماہرین کی رائے سے بالکل مختلف نتیجہ ہے اور اس پر بھی کوئی سائنسی شواہد پیش نہیں کیے گئے۔ حد تو یہ کہ اسپیکولیٹو سرمایہ کاری Speculative Investment کو بھی تمام شریعہ اسکالرز نے جائز قرار دیا ہے۔ آپ حضرات یہ کیا کر رہے ہیں؟ کیوں مسلمانوں کے لیے سٹے بازی کو جائز قرار دے رہے ہیں؟

آخر میں قارئین کی خدمت میں دست بستہ گزارش ہے کہ ہم ایسے حضرات پر نظر رکھیں جو دانستہ یا نادانستہ طور پر معیشت کی اسلامائزیشن کی آڑ میں کرپٹو کرنسی کو جائز قرار دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں، تاکہ ایسے تمام منظم منصوبوں کو روکا جاسکے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حق کو حق سمجھنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل کو باطل سمجھنے اور باطل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

# حواشی وحوالہ جات

[1] Charles W. Evans, Bitcoin in Islamic Banking and Finance, Journal of Islamic Banking and Finance, 3(1), 2015.

[2] Journal of Islamic Banking and Finance, Publication Fees, Link: https://jibfnet.com/in/jibf/faq .

[3] Barry University, USA, https://www.barry.edu /en/ academics/business/

[4] Dr. Charles W. Evans, Barry University News Item, https://my.barry.edu/news/article. html ?id =26604 .

[5] GERBA, E. and RUBIO, M., Virtual Money: How Much do Cryptocurrencies Alter the Fundamental Functions of Money?, Study for the Committee on Economic and Monetary Affairs, Policy Department for Economic, Scientific and Quality of Life Policies, European Parliament, Luxembourg, 2019.

[6] Dirk G. Baur, KiHoon Hong, Adrian D. Lee, Bitcoin: Medium of exchange or speculative assets?, Journal of International Financial Markets, Institutions and Money, Volume 54, 2018.

[7] European Supervisory Authorities Warnings on Cryptocurrency, Source: https:// www.eba. europa .eu/eu-financial-regulators-warn-consumers-risks-crypto-assets .

[8] Dirk G. Baur, Thomas Dimpfl, Konstantin Kuck, Bitcoin, gold and the US dollar – A replication and extension, Finance Research Letters, Volume 25, June 2018, Pages 103-110.

[9] Dirk G. Baur, KiHoon Hong, Adrian D. Lee, Bitcoin: Medium of exchange or speculative assets?, Journal of International Financial Markets, Institutions and Money, Volume 54, 2018.

[10] Owais Paracha, Tri Lingual Categorization of Opinions on Bitcoin and Crypto Currencies: An Islamic Perspective, Karachi Islamicus, 1(1), 22-34, 2021.

[11] Martyn Denscombe 2014, The Good Research Guide, 5 Ed., Open University Press, McGraw-Hill Education [ISBN: 9780335264704].

[12] Steven J. Taylor, Robert Bogdan, Marjorie DeVault 2016, Introduction to Qualitative Research Methods: A Guidebook and Resource, 4 Ed., Wiley [ISBN: 9781118767214].

[13] Jan Recker, Scientific Research in Information Systems: A Beginner's Guide, Second Edition, 2021, Springer.

# حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خلیق الرحمٰن ہالیجوی
صاحبزادہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ

’’جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذِ حدیث، جامع مسجد اقصیٰ (پاور ہاؤس) کے امام وخطیب، ہزاروں علماء وطلبہ کے استاذ ومربی حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ ۷۹ سال کی عمر میں یکم رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بوقت صبح دس بجے اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

آپ ایک نیک دل، پاکیزہ صفت، سادہ طبیعت اور منکسر المزاج شخصیت تھے۔ ساری زندگی دینِ اسلام کی ترویج، تعلیم وتعلّم اور نشر واشاعت میں گزاری۔ دنیوی حرص اور طمع سے کوسوں دور تھے، آپ نے ساری زندگی قوت لا یموت پر گزاری۔ کبھی بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، اُن کے درجات بلند فرمائے۔ لواحقین، اساتذۂ جامعہ، تلامذہ اور تمام متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ قارئینِ بینات سے حضرت الاستاذؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔ ہماری فرمائش پر آپ کے فرزندِار جمند مولانا خلیق الرحمٰن ہالیجوی زیدمجدہٗ نے آپ کے کچھ حالات لکھ کر بھیجے، اختصار کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کے مضمون کی تلخیص ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے۔‘‘ (ادارہ)

آپ رحمہ اللہ کا نام عبد الرؤف بن مالک ڈنو بن بلند فقیر تھا۔ آپ کی پیدائش شوال ۱۳۶۳ھ موافق سات اکتوبر ۱۹۴۴ء ہالیجی شریف کے کاشت کار گھرانے میں ہوئی۔ خاندان کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی تھا۔ آپ کا تعلق صوبہ سندھ کی مشہور انڈھڑ قوم سے ہے۔ آپ کے آباء واجداد بہت پہلے راجستھان

(انڈیا) سے ہجرت کرکے ریاست بہاولپور اور پھر وہاں سے ہجرت کرکے ضلع سکھر اور اس کے قرب وجوار میں آکر آباد ہوئے۔

ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم ہالیجی شریف کی مسجد میں حافظ تاج محمد مرحوم کے پاس حاصل کی۔ اور ہالیجی شریف کے مقامی سرکاری اسکول میں استاذ سلیمان مرحوم صاحب کے پاس چھٹی جماعت تک اسکول پڑھا، پھر اس کے بعد حفظِ قرآن کے لیے خیر پور میرس تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ حفظ القرآن میں حافظ اللہ ڈنو منگریو کے پاس تین سال کی مدت میں قرآن کریم حفظ کیا اور گردان بھی وہیں مکمل کی، اس وقت عمر ۱۵ سال تھی۔ پھر دو سال تک ضلع خیر پور کے علاقہ ہر یالو میں اور تین سال تک ہالیجی شریف میں مشہور مدرس مولانا عبدالمجید لنجاری صاحب سے ابتدائی فارسی سے کافیہ تک کی کتابیں پانچ سال کے عرصے میں پڑھیں۔

فرماتے تھے کہ جب میں حضرت لنجاری صاحبؒ کے پاس پڑھتا تھا تو استاذ نے مجھے ابتدائی درجات کے طلبہ بھی حوالے کر دیئے تھے کہ ان کو تم پڑھایا کرو، تو میں بیک وقت دو کام کرتا تھا، اپنے اسباق بھی پڑھتا تھا اور دوسروں کو بھی پڑھاتا تھا۔

اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی تشریف لے گئے۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے خلیفہ پیر فخر الدین شاہؒ صاحب کا ہے۔ اب بھی یہ مدرسہ قائم ہے، وہاں پر استاذ مولانا مظہر الدین انڈھڑ صاحبؒ اور مولانا امیر الدین میرانی صاحبؒ کے پاس نور الانوار، شرح جامی سے لے کر موقوف علیہ تک کی کتابیں دو سال کے عرصے میں پڑھیں، پھر اس کے بعد بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان استاذ مولانا شریف اللہ صاحبؒ کے پاس سراجی پڑھنے گئے۔

منطق وفلسفہ وغیرہ کی کتابیں مدرسہ دار الہدیٰ ٹھیڑی ضلع خیر پور میں مولانا بلال احمد صاحبؒ (مورو والے) اور استاذ عزیز احمد میمن خیر پوریؒ اور مولانا غلام قادر میمنؒ (نوشہرو فیروز والے) صاحب کے پاس پڑھیں، پھر تکملہ کے لیے مولانا عبداللہ درخواستی صاحبؒ کے مدرسہ خان پور تشریف لے گئے اور وہاں مولانا واحد بخش صاحبؒ (کوٹ مٹھن والے) کے پاس ایک سال تکملہ پڑھا، جس میں حمد اللہ وقاضی، صدرا، شمس بازغہ، میر زاہد، ملا جلال، خیالی کتابیں پڑھیں۔

آپ نے دورہ حدیث سے پہلے لنجاری شریف میں دو سال پڑھایا تھا۔ دو سال وہاں پڑھانے کے بعد غالباً ۱۹۶۸ء میں دورہ حدیث کے لیے مدرسہ دار الہدیٰ ٹھیڑی ضلع خیر پور تشریف لے گئے اور وہاں اپنے ماموں اور استاذ مولانا قطب الدین انڈھڑ صاحبؒ کے پاس صحاحِ ستہ کی تمام کتابیں

پڑھیں اور دستار بندی وسندِ فراغت مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی سے حاصل ہوئی ، فللّٰہ الحمد.

آپ نے تدریس کا آغاز شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں کیا، اندرونِ سندھ مختلف مدارس میں تدریس کی، ۱۹۸۳ء میں کراچی تشریف لائے، یہاں بھی کئی مدارس میں ۱۴ سال تک تدریس کی، حضرت مولانا عبدالسمیع شہیدؒ کی شہادت کے بعد شوال ۱۴۱۲ھ مطابق اپریل ۱۹۹۷ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تشریف لائے اور اپنی وفات تک یہاں تدریس فرماتے رہے۔

تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد ۱۹۶۸ء میں عقدِ مسنونہ ہوا جس سے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں اور آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے استاذ اور ماموں مولانا قطب الدین ہالیجویؒ کی پوتی ہیں۔ اولاد میں سے ایک بیٹا امامت وخطابت سے وابستہ ہے اور ایک مسجد اقصیٰ کا مؤذن وخادم ہے، بقیہ بچے دنیاوی روزگار سے وابستہ ہیں۔

۱۹۸۷ء سے جامع مسجد اقصیٰ پاور ہاؤس شفیق موڑ میں امامت وخطابت سے منسلک رہے۔ ۲۰۱۷ء میں ضعف وبڑھاپے کی وجہ سے ازخود مسجد کی امامت وخطابت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کیا تو مسجد کی کمیٹی اور دیگر مقتدیوں نے مسجد چھوڑنے کی اجازت نہ دی اور کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر نہیں جاسکتے تو والدصاحبؒ نے کہا کہ بابا میں بوڑھا ہوگیا ہوں، آپ مجھے چھٹی دو، تاکہ میں آرام کروں، تو مسجد کے ذمہ داران نے کہا کہ ہم امامت کے لیے کسی اور کو مقرر کردیتے ہیں کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھائے گا، آپ جمعہ کا بیان کردیا کریں اور عصر سے مغرب تک کا وقت ہمیں دیں اور مسجد میں تشریف فرما ہوں، تاکہ کسی کو کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہو تو آپ مسئلہ بتادیا کریں، تو اس طرح کمیٹی اور محلہ داروں کے اس فیصلہ پر راضی ہوگئے۔ جب مسجد کی امامت چھوڑی تھی تو مسجد کی طرف سے دیا گیا گھر چھوڑنے کا فیصلہ بھی کرلیا اور فرمایا کہ جس کو امام بناؤگے، اس کی بھی فیملی ہوگی، اہل وعیال ہوں گے، اس کو گھر کی ضرورت ہوگی تو اس کو مسجد والا گھر دے دینا، میں تو اس گھر میں رہنا مناسب نہیں سمجھتا، تو اس طرح ۲۰۱۸ء میں مسجد کے سامنے ہی ایک کرائے کے گھر میں شفٹ ہوگئے اور مسجد کا گھر خالی کردیا۔ اس گھر میں دو بھائی والدصاحبؒ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔

حفظِ قرآن مکمل کرنے کے بعد ۱۵ سال کی عمر سے ہی تراویح پڑھانا شروع کردی تھی، اکثر تراویح ہالیجی شریف (پنوں عاقل) میں میاں عبدالستار صاحب کی مسجد میں پڑھائی اور چند سال اپنے گاؤں ہالیجی شریف کی مختلف مساجد میں تراویح پڑھائی۔ ۱۹۸۳ء تک یعنی کراچی آنے تک یہ سلسلہ جاری رہا، پھر جب امامت ملی تو چونکہ مسجد میں پہلے ہی ایک حافظ صاحب تراویح پڑھاتے چلے آرہے

تھے تو اس کو ہٹانا مناسب نہ سمجھا اور خود پیچھے کھڑے ہو کر سماعت فرماتے رہے اور ۲۷ ویں شب کو ختم کے بعد دو یا تین دن اکثر خود تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

۱۹۸۰ء میں جب جامعہ اشرفیہ سکھر میں پڑھاتے تھے، اس وقت جامعہ اشرفیہ کے مفتی عبدالحکیم سکھرویؒ (والد مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب) کی عدم موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، کراچی آنے کے بعد دارالعلوم رحمانیہ بفرزون کی تدریس کے دوران بھی وہاں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جب جامعہ اسلامیہ کلفٹن میں پڑھاتے تھے، اس وقت صدر میں واقع مسجد خضراء کے رئیس دارالافتاء اور مفتی بنے اور وہاں فتویٰ دینے کے ساتھ ساتھ مسائل کی چند کتابیں بھی تصنیف کیں جو کہ مسجد خضراء کی طرف سے طبع ہوچکی ہیں: ۱- کتاب الزکاۃ، ۲- مسائلِ رمضان، ۳- مسائلِ قربانی، ۴- مسائلِ احرام۔

آپ ابتداءً قطب الاقطاب مرشد الموحدین حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ سے بیعت ہوئے تھے، ۱۹۶۱ء میں حضرت ہالیجویؒ کے انتقال کے بعد حضرت ہالیجویؒ کے چھوٹے فرزند اور خانقاہ ہالیجی شریف کے سجادہ نشین حافظ محمود اسعد صاحبؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا۔ ۱۹۹۰ء میں حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد پھر کسی سے بیعت کا تعلق قائم نہیں کیا۔ حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ (بیر شریف والے) سے عقیدت کا تعلق تھا، حضرت بیر شریف والوں کے انتقال کے بعد پھر کسی کو اپنا پیرومرشد نہیں بنایا۔ فرماتے تھے کہ: پہلے والے بزرگوں میں سادگی، عاجزی، للّٰہیت وخشیتِ الٰہی پائی جاتی تھی، اب آج کل کے پیروں میں وہ سادگی، عاجزی باقی نہیں رہی۔

حضرت والد صاحبؒ انتہائی سادہ طبیعت، دکھاوے اور شہرت سے کوسوں دور، سادگی اور عاجزی پسند تھے۔ سادہ لباس اور سر پر معمولی عمامہ زیب تن کیے رکھتے تھے۔ مجھے یاد نہیں والد صاحبؒ نے کبھی کاٹن کا کپڑا پہنا ہو یا تین چار جوڑوں سے زائد کپڑے بنوائے ہوں۔ سادہ کھانا تناول فرماتے اور کھانے پینے میں احتیاط برتتے تھے، ایک روٹی صبح، ایک شام اور سالن جو گھر میں پکتا تھا، بازار کے کھانے سے احتیاط برتتے تھے کہ پتا نہیں کس قسم کے مصالحوں اور چیزوں سے بناتے ہیں۔ اگر کہیں کسی دعوت میں باہر کا کھانا کھانا پڑے تو پھر بہت ہی کم کھاتے تھے۔

آپؒ زندگی میں صرف دو بار سفرِ حج کے لیے تشریف لے گئے، پہلی مرتبہ ۱۹۸۶ء میں اکیلے گئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ ۲۰۰۷ء میں اپنی اہلیہ کو حج کے لیے ساتھ لے کر گئے۔

آپؒ بالکل تندرست تھے، چند دن سے معمولی بخار تھا، صبح دس بجے ایک بھائی جو اقصیٰ مسجد کے خادم ہیں، وہ گھر آئے تو والدہ نے ان کو والد صاحبؒ کے بارے میں بتایا کہ ابھی تک بیدار نہیں ہوئے،

انہوں نے جب جا کر دیکھا تو والد صاحبؒ سو رہے تھے، لیکن سانسیں تیز چل رہی تھیں، فوری طور پر ڈاکٹر کو بلا کر لائے، انہوں نے چیک اَپ کیا اور کہا کہ فوراً اُن کو ہسپتال لے کر جائیں، ایمبولینس منگوا کر سیفی ہسپتال لے جا رہے تھے کہ ایمبولینس میں آخری بار آنکھیں کھول کر چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اور ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی ہزاروں تلامذہ و متعلقین اور عزیز و اقارب کو سوگوار چھوڑ کر اللہ کی رحمت کی آغوش میں چلے گئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون.

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

سہ پہر تقریباً چار بجے آپؒ کا جسدِ خاکی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن لایا گیا، وہاں اساتذہ اور طلباء نے آپؒ کا آخری دیدار کیا، بعد نمازِ عصر جامعہ بنوری ٹاؤن کی مسجد میں رئیسِ جامعہ حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری صاحب دامت برکاتہم کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اس کے بعد تدفین کے لیے گاؤں ہالیجی شریف (پنوں عاقل) لے جایا گیا اور بروز جمعہ صبح سات بجے کے قریب ہالیجی شریف کے مقامی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت والد صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، ہمیں اور تمام تلامذہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

# قربانی سے متعلق چند اہم مسائل

ادارہ

’’ماہنامہ بینات میں ہر ماہ دارالافتاء کے عنوان کے تحت اہم اور جدید مسائل میں سے ایک آدھ فتویٰ شائع کیا جاتا ہے، چونکہ قربانی کے ایام قریب ہیں، اور قربانی سے متعلق چند اہم مسائل اور فتاویٰ کا ایک ساتھ شائع کرنا مفید معلوم ہوا، اس لیے اس شمارہ میں قربانی کے متعلق دارالافتاء سے جاری شدہ چند فتاویٰ اختصار کے ساتھ شائع کیے جارہے ہیں۔‘‘ (ادارہ)

## مسئلہ: ہبہ شدہ جانور کی قربانی کرنے سے قربانی کی فرضیت ادا ہوگی یا نہیں؟

ایک شخص دوسرے آدمی سے قربانی کے لیے کوئی جانور خریدے، لیکن دوسرا آدمی کہے کہ میں تمہیں قربانی کے لیے جانور تو دے دوں گا، لیکن اس جانور کے پیسے نہیں لوں گا، اس صورت میں پہلے شخص پر جو قربانی فرض تھی وہ ادا ہوگی یا نہیں؟ تو واضح رہے کہ اپنی ذاتی رقم سے براہِ راست قربانی کا جانور خریدنا شرعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی جائز ذریعہ (ہبہ، گفٹ، وراثت) سے قربانی کے جانور کا مالک بننے کے بعد اس کی قربانی کرنے سے واجب قربانی ادا ہوجائے گی۔ (فتویٰ نمبر:8828)

## مسئلہ: پیدائشی طور پر تین یا چار کان والے جانور کی قربانی کرنے کا حکم

اگر کسی جانور کے پیدائشی تین یا چار کان ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، کیونکہ یہ عیب ہے جو کہ قربانی کے جواز سے مانع ہے۔ (فتویٰ نمبر:8909)

## مسئلہ: فوت شدہ والدین کی طرف سے قربانی کا طریقہ

اگر اولاد بڑے جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کی قربانی کر رہی ہو اور اپنے کسی مرحوم کی طرف سے بھی نفلی قربانی کرنا چاہتی ہو تو اسی جانور میں سے ساتواں حصہ اپنے والد یا والدہ یا کسی بھی مرحوم کے لیے مختص کر سکتے ہیں، الگ سے جانور لینا ضروری نہیں ہے۔ اور ایک سے زائد افراد مل کر ایصالِ ثواب کے لیے ایک حصے کی قربانی کرنا چاہیں تو اس صورت میں وہ افراد کسی ایک شخص کو اس رقم کا مالک بنادیں، بعدازاں وہ قربانی اس بیٹے کی طرف سے والد کے ایصالِ ثواب کے لیے ہوگی اور ثواب دیگر افراد کو بھی ملے گا۔

اور اگر کوئی بیٹا/ بیٹی اپنے مرحوم والد کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا چاہے تو وہ بھی کر سکتا ہے، البتہ اولاد میں سے جس پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے اپنی قربانی کرنا واجب ہو تو والد کی طرف سے بطور ایصالِ ثواب قربانی کرنے کی وجہ سے اس سے اپنی قربانی کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ (فتویٰ نمبر:21418)

## مسئلہ: قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں

قربانی کرنے والے کا اپنی قربانی کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں، اگر فروخت کردے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔ ریسٹورنٹ والے کا اپنی قربانی کا گوشت پکا کر فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح پارٹی میں اپنی قربانی کا گوشت پکا کر اس کا خرچہ لینا جائز نہیں، البتہ گوشت کے علاوہ دیگر چیزوں کا خرچہ لینا جائز ہے۔ (فتویٰ نمبر:10227)

## مسئلہ: اجتماعی قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟ ترازو سے یا اندازہ سے؟

سب شرکاء یا کوئی ایک شریک قربانی کے گوشت میں سے اپنا حصہ وصول کرنا چاہتا ہے تو قربانی کا گوشت اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں، وزن کر کے برابر برابر تقسیم کرنا ضروری ہے، ورنہ ایسا کرنا گوشت کے بدلے گوشت لینے کا عمل ٹھہرے گا، اگر کسی حصہ میں کمی بیشی ہوگی تو سود ہو جائے گا اور سود لینا، دینا، کھانا سب حرام ہے۔ البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے اور کھال کو بھی شریک کر لیا جائے تو جس طرف مذکورہ چیزیں ہوں اس طرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے۔

نیز اگر قربانی میں شریک تمام افراد اس بات پر رضامند ہیں کہ گوشت کو تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ ایک جگہ پکا کر کھایا جائے یا صدقہ کر دیا جائے تو یہ جائز ہے، تقسیم کی ضرورت نہیں، لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی ایک حصہ دار اس کے خلاف ہو اور وہ اپنا حصہ تقسیم کر کے لینا چاہے تو تقسیم کرنا ضروری ہوگا، گوشت کو وزن کے ذریعہ سے تقسیم کرنا ضروری ہوگا، اندازے سے تقسیم کرنا درست نہیں۔ چاہے سب شرکاء راضی ہوں تب بھی گوشت کو

ترازو سے تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔ (فتویٰ نمبر:10038)

## مسئلہ: کھلے عام قربانی کی اجازت نہ ہوتو قربانی کے لیے قصائی سے ذبح شدہ بکرا خریدنا

بعض ممالک جیسے فرانس وغیرہ میں قربانی پر پابندی ہے، البتہ قصائی کی دکان سے ذبح شدہ بکرے مل جاتے ہیں، ایسی صورت میں قصائی کی دکان پر ذبح کیے گئے جانور کو خریدنے سے قربانی کا وجوب ادا نہیں ہوگا، البتہ اگر قصائی سے زندہ بکرا خرید کر مسلمان قصائی کی دکان پر قربانی کے دنوں میں ذبح کرالیں تو قربانی دا ہوجائے گی۔

اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پاکستان میں اپنی طرف سے قربانی کرائی جاسکتی ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ اس کی طرف سے قربانی اس دن کی جائے جس دن دونوں جگہ عید کے ایام ہوں۔ اور اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ایک جگہ میں عید کی پہلی اور دوسری جگہ میں عید کی دوسری تاریخ ہو، صرف دونوں جگہوں میں عید کے ایام کا ہونا ضروری ہے۔ (فتویٰ نمبر:8908)

# نَقدُ و نَظَر



ادارہ

## گلدستۂ احادیث

مفتی محمد ثناء الرحمٰن صاحب۔ صفحات: ۲۷۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: جامع مسجد اسلامیہ، بطحاء ٹاؤن، بلاک این، نارتھ ناظم آباد، کراچی

علمائے امت کا ہر دور میں یہ ذوق رہا ہے کہ وہ کسی ایک موضوع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرۂ احادیث میں سے چالیس احادیث جمع کرتے ہیں، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارہ میں جو بشارت ہے وہ ان کو بھی حاصل ہو جائے۔ اس ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی ثناء الرحمٰن صاحب نے چالیس احادیث عقیدۂ ختمِ نبوت کے عنوان پر اور مزید چالیس احادیث نزولِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا مہدی علیہ الرضوان کے عنوان پر جمع ہیں اور اُردو میں ان کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مساجد کے ائمہ کرام پانچوں نمازوں میں سے کسی ایک نماز سے پہلے یا بعد میں اس مجموعہ میں سے روزانہ ایک ایک دو دو احادیث نمازی حضرات کو سنا دیں، تو ان شاء اللہ! ان کو بھی اس عقیدہ کے بارہ میں کافی آگاہی بھی ہو جائے گی اور اس سے جہاں ان کا عقیدہ مضبوط اور محفوظ ہوگا، وہاں وہ دوسروں کے عقیدہ کی حفاظت کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

## فاتحِ قادیان مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ: سوانح وافکار

حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مدظلہ۔ صفحات: ۲۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: قاضی احسان اکیڈمی، مدرسہ تعلیم القرآن صدیقیہ، صدیق آباد، جلال پور پیروالا روڈ، بستی مٹھو، شجاع آباد

حضرت مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تردیدِ قادیانیت کے لیے موفق بنایا تھا۔

آپ نے جہاں قادیانیوں سے مناظرے کیے اور ان کو شکستِ فاش دی، اسی طرح تردیدِ قادیانیت کے لیے اپنے شاگردوں کی عظیم جماعت بھی تیار کی، جن میں سے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب اور حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی صاحب اس جماعت کو اور جماعت کے مبلغین کو لے کر چل رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی صاحب نے اپنے استاذ ومربی حضرت مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح ترتیب دی ہے۔ کتاب کو سات ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

بابِ اول: فاتحِ قادیان: حیات وخدمات۔

بابِ دوم: مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان متنازع فیہ مسائل۔

بابِ سوم: بحثِ کذب وصدق مرزا قادیانی۔

بابِ چہام: حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام۔

بابِ پنجم: بحثِ مسئلہ ختم نبوت۔

بابِ ششم: ایک خط کا جواب۔

بابِ ہفتم: متفرق مضامین۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک بہترین مختصر مگر پر اثر انسائیکلو پیڈیا ہے، جو کئی جہتوں کو اپنے اندر سموئے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ امت کے لیے اسے نافع بنائے۔

## مکاتیب المشائخ

جمع وترتیب: مولانا صاحبزادہ محمد زکریا قریشی صاحب۔ صفحات: ۲۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ مرشد العلماء والصلحاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس سرہٗ کے خلیفہ اجل شیخ المشائخ حضرت مولانا عبد الغفور قریشی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، آپ اپنے اکابر کی طرح خط وکتابت کے ذریعے استفادہ اور افادہ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ خط وکتابت ہر زمانہ میں نہ صرف یہ کہ اس وقت کے حقیقی واقعات پر مشتمل ہوتی ہے، بلکہ زندگی گزارنے کے اصول اور اسرار بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہے، جس میں بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مستند راہنمائی ہوتی ہے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خط وکتابت پر مشتمل کتاب تربیت السالک چار جلدوں پر مشتمل ہے، جو سلوک کی راہ میں پیش آنے والے اشکالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آج بھی اہلِ سلوک کے لیے بہترین راہ نمائی کا ذریعہ ہے۔

اس کتاب میں تقریباً ۲۰۴ خطوط کو شامل کیا گیا ہے، کچھ خطوط وہ ہیں جو حضرت مولانا عبدالغفور قریشی صاحبؒ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ احمد خان صاحبؒ کو لکھے، اور کچھ حضرت خواجہ صاحبؒ کی جانب سے مولانا عبدالغفور صاحبؒ کو لکھے گئے اور کچھ دوسرے مشائخ کے نام اور کچھ آپ کے متوسلین کے آپ کے نام لکھے گئے خطوط ہیں۔ بہرحال! یہ تمام خطوط عمدہ نصائح اور فوائد پر مشتمل ہیں، جنہیں مولانا محمد زکریا قریشی صاحب نے بڑی محنت سے یک جا کر دیا ہے، جو قابلِ تحسین اور لائقِ تبریک کاوش ہے اور آپ کے مریدین اور آپ کے تمام سالکین کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ اور معیاری ہے۔

## أحكام الایتلاف في أحكام الاختلاف (اختلافِ حق وناحق کی تفصیل)

تحریر: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ۔ نظر ثانی وترجمہ: حضرت مولانا احمد حسن صدیقی، فاضل دارالعلوم دیوبند، خطیب جامع مسجد خیر البشر، بلاک جے، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ صفحات: ۶۳۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مدنی کتب خانہ کراچی، مدنی منزل، آر ۹۹۷، سیکٹر: ۱۶-اے، گلشن اسلام، بفرزون، کراچی۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کی ظاہری شکلیں اور صورتیں بنائی ہیں، اسی طرح انسانوں کے عقل وشعور اور سوچنے سمجھنے کی استعدادیں بھی متفرق بنائی ہیں، گویا ذی شعور معاشرہ میں اختلاف کا ہونا قدرتی امر ہے، یہ ناممکن ہے کہ تمام انسان ایک بات پر متفق ہوں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ہر اختلاف برا ہو۔ اب کونسا اختلاف صحیح اور کونسا برا ہے؟ اس بارہ میں ہمارے اکابر نے ہر دور میں امت کی راہنمائی کے لیے مضامین اور رسائل تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا زیرِ تبصرہ رسالہ بنام ''أحكام الایتلاف في أحكام الاختلاف''ہے، یعنی اختلافِ حق اور اختلافِ ناحق کی تفصیل، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ الاسعدی صاحب حفظہ اللہ نے مختلف رسائل اس موضوع پر جمع کیے تھے، تو ان میں حضرت تھانویؒ کا یہ رسالہ مستقلاً انہوں نے شائع کیا، جس کی نظر ثانی وترجمہ حضرت مولانا احمد حسن صدیقی صاحب نے کیا ہے اور مدنی کتب خانہ نے اسے شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ موجودہ دور میں علماء، طلبہ اور عوام کے لیے یہ رسالہ انتہائی مفید ہے۔ ان شاء اللہ! اس کے مطالعہ سے اختلاف کی حدود وقیود کا جہاں علم ہوگا، وہاں اختلاف کے بارہ میں افراط وتفریط سے بچنے کا ذریعہ بھی بنے گا۔

## آسان نماز، چالیس مسنون دعائیں اور چالیس احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ۔صفحات: ۶۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: علم وعمل بکڈپو، اردو بازار، کراچی

اللہ تبارک تعالیٰ نے اُمت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری نور اللہ مرقدہٗ کی تحریرات اور کتب ورسائل کو مقبولیتِ عامہ سے سرفراز فرمایا ہے۔آپ نے قرآن کریم کی تفسیر سے لے کر چھوٹے بچوں کے لیے نماز کے رسالہ تک کتب تحریر فرمائی ہیں اور باذوق لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

یہ رسالہ بھی قرآنی مکاتیب میں پڑھنے والے بچوں کے لیے مرتب فرمایا ہے، جس میں وضو، نماز کے مسائل اور طریقہ، دعائیں اور مختصر احادیث جمع کی ہیں۔ یہ رسالہ آج کے دور میں ہر گھر کے لیے ایک ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرتؒ کی اس محنت کو آپ کے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے اور اُمتِ مسلمہ کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

## مانگیے اپنے رب سے!

مفتی محمد ثناء الرحمٰن صاحب۔صفحات: ۱۳۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ دارالخلیل۔ ملنے کا پتہ: مدرسہ مفتاح العلوم، جامع مسجد اسلامیہ، بطحاء ٹاؤن، بلاک این، نارتھ ناظم آباد، کراچی

یہ کتاب اسماء الحسنیٰ، صبح وشام کی مسنون دعاؤں، استغفار کے الفاظ پر مشتمل چالیس دعاؤں، منزل، دعائے انسؓ اور دیگر مجرّب اعمال اور دعاؤں پر مشتمل مفید مجموعہ ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

## اعلان برائے قارئینِ بینات

قارئینِ بینات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ذوالقعدۃ ۱۴۴۴ھ سے ماہنامہ بینات کا زرِ سالانہ مبلغ ۶۵۰ (چھ سو پچاس) روپے ہوگا۔ ماہنامہ بینات کے پرانے اور نئے خریدار آئندہ سال کے لیے اسی حساب سے رقم بھجوائیں۔ **(ادارہ بینات)**